بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی☆

عہدِ رسالت میں صحابہؓ کی فقہی تربیت اور اس کے نتائج و ثمرات

کتاب و حکمت کی تعلیم دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ چنانچہ آیۃ شریفہ میں کہا گیا ہے،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (۱)

وہ انہیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دیں۔

یہاں حکمت سے کیا مراد ہے؟ نامور مفسر و مجتہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر حلال و حرام کا فہم، دینی تفقہ اور فقہی بصیرت سے کی ہے (۲)

یہی معنی حضرت مجاہد سے منقول ہیں، امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے، امام بخاریؒ نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (۳) ائمہ اصول میں امام سرخسیؒ نے اصول السرخسی اور امام البزدوی نے اصول البزدوی کے آغاز میں حضرت ابن عباسؓ کے قول الفقہ فی الدین، (فقہی بصیرت) کو نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین اور امام شافعیؒ حکمت سے "سنت" مراد لیتے ہیں۔ (۴) بعض نے دانائی مراد لی ہے۔ (۵) یہی آئمہ لغت کے اقوال ہیں۔ (۶) لیکن فقہی بصیرت، سنت اور دانائی وغیرہ سب

☆۔ نگران شعبۂ تخصص فی علوم الحدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

قریب قریب ہم معنی ہیں سب کا حاصل تفقہ، رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کا استعمال ہے۔(۷)

خاتم رسل، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت پر عمل کیا اور خیر امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس طرح اس سے آشنا اور خوگر کیا۔ اور کس طرح اس کے استعمال کا طریقہ سکھایا۔ اور تربیت کی، کیسے ان میں مجتہدین تیار کئے، کس طرح اس طریقہ اجتہاد ورائے کی ہمت افزائی فرمائی اور کس انداز سے فقہی بصیرت اور رائے پر پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ کس طریقے سے شریعت میں رائے واجتہاد کی گنجائش و سہولت فراہم کی۔ اور کن کن نصوص وآیات نے اس سلسلے میں صحابہؓ کی رہنمائی کی، مجتہدین صحابہؓ کس طرح اس سنت متوارثہ پر عمل پیرا و کاربند رہے، اسلامی قلمرو کس طرح اس کے ثمرات ونتائج سے بہرہ ور ہوتا رہا اور خیر امت نت نئے مسائل کا حل نکال کر راہ نجات حاصل کرتی رہی؟ اس کا جائزہ اس مختصر مقالے میں پیش کیا گیا ہے، جس کی پہلی قسط عہد رسالت ودور صحابہؓ پر مشتمل ہے، اور اس کی دوسری قسط عہد تابعین وزمانہ تبع تابعینؒ پر محیط ہے، یوں یہ مقالہ خیر القرون میں رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کے استعمال کی ایک تاریخی دستاویز کا جامع بن سکا ہے۔

آغازِ بحث سے پہلے تفقہ فی الدین (فقہی بصیرت) کی اہمیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

فقہی بصیرت اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ نعمت ہے جو وہ اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے، امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں۔

والحديث فى الصّحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال: من يرد الله به خير يفقهه فى الدين (۸)

ولازم ذلك أن من لم يفقهه الله فى الدين لم يردبه خيراً فيكون الفقه فى الدين فرضاً۔ والتفقه فى الدين: معرفة الاحكام الشريعة بأدلّتها السمعية، فمن لم يعرف ذالك لم يكن متفقها فى الدين(۹)

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ (فقہی بصیرت) عطا کرتا ہے۔

اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ جسے تفقہ کی نعمت سے سرفراز نہیں فرماتا اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں ہوتا، دین میں تفقہ بقدر استطاعت و طاقت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تفقہ فی الدین مجتہد کا شرعی احکام کو دلائل تفلیہ سے جاننا ہے۔ اس حقیقت کو جو نہیں سمجھتا وہ دین میں تفقہ۔ وہ فقہی بصیرت یعنی خیر الٰہی سے بہرہ ور نہیں۔

تفقہ کی حقیقت

تفقہ فی الدین اور فقہی بصیرت ایسی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پسندیدہ بندوں کو عطا کی جاتی ہے، حسب تصریح امام ابن تیمیہؒ اس کا مصداق مجتہدین و فقہا ہیں، اس لئے کہ وہ ہی دلائل تفلیہ سے مسائل کا استنباط کرتے اور تفریع مسائل کرتے ہیں، اس نعمت سے جو محروم ہیں وہ ان محبوبان الٰہی کو "اصحاب الرائے" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:

" انّه من أصحاب الرأی"

وہ اصحاب الرائے سے ہے ان الفاظ سے ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے سطور بالا میں جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ اسلام میں متواتر و متوارث سنت رہی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نصوص کے زیر اثر رائے کی قدر و قیمت

امام ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ رائے جو ہوئی و ہوس پر قائم ہو "شر" ہے۔ شریعت میں لائق ملامت اور حرام ہے، اور وہ رائے جو دلائل تفلیہ اور شرعی نصوص کی روشنی میں مجتہد کی اجتہادی سرگرمی اور فقہی بصیرت سے معرض وجود میں آتی ہے، شریعت میں "خیر" سمجھی جاتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، چنانچہ مجتہد اگر اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے دہرا اجر عطا کیا جاتا ہے اور اگر اس سے اس میں خطا ہوتی ہے تو بھی اس کی حق جوئی کی سرگرمی کے صلے میں اسے اکہرا اجر دیا جاتا ہے، چنانچہ صحیح البخاری میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد

ثم أخطأ فله أجر۔ (۱۰)

حاکم و قاضی جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے، اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں حق تک رسائی حاصل کرے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اس نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس میں اس سے چوک ہوئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے۔

وہ فقہی بصیرت جس کا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے اوپر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پسندیدہ نعمت قرار دیا ہے۔

اجتہاد و قیاس اور فقہی بصیرت ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات

یہ فقہی بصیرت اور اجتہاد و قیاس ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں، چنانچہ اصطلاح میں اس عمل کو قیاس سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہا اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

القياس في الشرع تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة۔ (۱۱)

حکم اور علت میں اصل کے ساتھ فرع کا اندازہ لگانا (اور ان میں باہمی مطابقت و موافقت کو) جانچنا پرکھنا شرع میں قیاس ہے۔

حضرت ابو بکرؓ اور دیگر صحابہؓ کا رائے کے متعلق ارشاد اور اس کا مطلب

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رائے کی مذمت میں حسب ذیل الفاظ منقول ہیں:

أيّ أرضٍ تقيلني، أيّ سماءٍ تظلني۔

کہ میں اپنی رائے سے دین میں کوئی بات کہوں تو کونسی زمین مجھے جگہ دے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟

اس کا مطلب اور اس کی مراد یہ ہے کہ میں نص (صریح حکم اور دلیل) کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں۔ (۱۲)

یہی وجہ ہے کہ صریح دلائل کی موجودگی میں اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں، نہ کبھی کسی نے ایسا کیا ہے اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

إیّاکم وأصحاب الرأی۔ (۱۳)

اصحاب الرائے سے بچو کہ انہیں حدیثیں یاد کرنے نے تھکا دیا، حدیثیں پوری یاد نہ کر سکے اور رائے زنی شروع کر دی۔

اول تو یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر منقول نہیں (اس لئے لائق توجہ نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اصحاب الرائے ہیں جو ہوائے نفسانی کا شکار ہوں اور بغیر نظیر و قیاس کے رائے دیتے اور کتاب و سنت اور اجماع کے اصول کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لو کان الدین بالقیاس لکان باطن الخف اولٰی بالمسح من ظاهره

اگر دین کا مدار قیاس پر ہوتا تو چمڑے کے موزے کے نچلے حصے پر مسح کرنا زیادہ بہتر ہوتا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے۔

انه رای رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یمسح ظاهر الخف دون باطنه ،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چرمی موزے کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے دیکھا اس لئے (فرماتے ہیں) میں ظاہر حصہ پر مسح کرتا ہوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ شریعت کے اصول قیاس کے طریقہ سے ثابت نہیں۔ ان کا طریقہ توفیقی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا سکھایا ہوا ہے) یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے اصول ہیں۔ (۱۴)

اور حضرت مسروق رحمہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا وہ فرماتے تھے:

قرّاؤکم و صلحاءکم یذهبون ، یتخذ النّاس رؤ ساً جهالا یقیسون الا مور برائهم۔ (۱۵)

تمہارے قاری اور نیک لوگ اٹھتے جا رہے ہیں لوگوں نے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو رائے زنی کرنے لگے ہیں۔ (یہاں بھی مذمت ایسی رائے کی ہے جو اصول منصوصہ کے خلاف ہوتی ہے)

اسی بناء پر اصول منصوصہ سے ناواقف ہونے کے باوجود قیاس ورائے سے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔(۱۶)

حضرت مسروقؒ کا یہ قول:

لا اقیس شیئابشئی فإنی أخاف أن تنزل قدمی۔ (۱۷)

میں ایک شئی کو دوسری شئی پر قیاس کرنے سے ڈرتا رہتا ہوں کہ میرا قدم (راہ حق سے) نہ ڈگمگا جائے۔ یہ کہنا احتیاط کی وجہ سے تھا۔

خصاص کہتے ہیں: یہ بات مسروقؒ کی رائے و قیاس میں احتیاط اور غلطی سے بچنے پر دلالت کرتی ہے۔(۱۸)

ابن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے تھے:

اوّل من قاس ابلیس۔

سب سے پہلے جس نے نص کے مقابلے (۱۹) میں قیاس کیا وہ شیطان تھا۔

ان کا مقصد یہ جتانا تھا کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا درست نہیں۔ حدیث و آثار میں جہاں رائے کی مذمت آئی ہے وہاں نصوص کے مقابلے میں رائے زنی کرنا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اس سے مراد وہ آرا ہیں جن کی بنا فاسد قیاسات پر ہو نہ کہ شرعی قیاس پر۔

اجتہاد کا محل و مقام

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نص (حکمِ صریح) جہاں نہیں ہوتی، یا نص میں کئی احتمال کی گنجائش ہوتی ہے ایسی جگہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی مجتہد کو اجتہاد کی حاجت نہیں، نہ کبھی کوئی مجتہد اجتہاد کی جرأت کر سکتا ہے اور انہی جگہوں میں (جہاں نص نہ پائی جاتی ہو یا پھر نص میں کئی احتمال موجود ہوتے ہوں) مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے۔(۲۰)

لہٰذا رائے کی مذمت میں جو اقوال بعض صحابہ کرامؓ سے (سنن الدارمی وغیرہ میں) منقول ہیں ان کا مطلب یہی ہے کہ "کتاب اللہ" اور "سنتِ رسول ﷺ" اور "اجماع" کے اصول سمجھنے اور یاد کرنے سے پہلے رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کرنا صحیح نہیں۔(۲۱) انہی وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی واقعہ اور نیا مسئلہ و حادثہ رونما ہوتا تو وہ حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا شرعی حکم معلوم کرتے اور اس کے متعلق یہ پوچھتے تھے کہ کسی کے پاس اس مسئلے میں

کوئی حدیث موجود ہے؟ اس پر بس نہیں کرتے بلکہ اسلامی قلمرو میں بھی صحابہ کرامؓ سے لکھ کر معلوم کرتے تھے۔ پھر اپنی رائے (اور فقہی بصیرت) سے فتویٰ دیتے تھے۔ (۲۲)

اجتہاد کے ناگزیر ہونے کے دو سبب

اجتہاد کے قائل ہونے اور اس پر عمل کرنے کے دو سبب ہیں، پہلا سبب یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور صحابہؓ کو اس کی تعلیم و تربیت کی، صحابہؓ نے اسے سمجھا، اس پر عمل کیا، چنانچہ وہ اس کے قائل اور اس پر کاربند رہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں اس صفت سے آراستہ تھے ان میں سے کسی کو اس کے جواز میں کسی قسم کا تامل و تردد نہ تھا یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں کوئی اجتہاد کا منکر نہیں پایا گیا۔

ہر ایک جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہؓ نے آپ ﷺ کا جانشین و خلیفہ اجتہادی رائے سے مقرر کیا اور انہوں نے اجتہاد کو دین و شریعت کا رکن سمجھا، ایسا اگر نہ ہوتا تو اجتہاد اور اجتہادی رائے پر ان کا اتفاق نہ ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے قیاس اور اجتہاد کرنے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور صحابہؓ کا اجماع و اتفاق حجت ہے، اس لئے اس میں اختلاف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں اور نہ اس سے باہر رہ کر کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ (۲۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے اجتہاد کے متعلق یہ فرمانا:

اقول فیھا برأی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ وإن یکن خطأ فمنی۔ (۲۴)

(کلالہ وہ میت جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ کے متعلق) جو کہتا ہوں یہ میری رائے ہے، اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری غلطی اور بھول چوک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تک رسائی اور اس کی جستجو میں صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ یہ میرا قیاس و رائے ہے، یہ درست ہے تو حق کا فیضان ہے کہ اس نے مجھے حق کی راہ سمجھائی، ورنہ میری خطا اور بھول چوک ہے۔ تاہم یہ اس کا کرم ہے حق کی جستجو اور کوشش کے صلے میں مجھے ایک اجر عطا کرتا ہے، یہ بات شریعت میں اجتہاد کے جواز اور

پسندیدہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

مجتہدین کو قرآن کی ہدایت

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مجتہدین کو اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج (۲۵)

اور ان معاملات میں مشورہ لیتے رہئے۔

یہ آیت تمام امور میں عام ہے اس لئے کہ اس "الامر" میں الف لام جنس کا داخل ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور ہم بھی تبعاً اس کے مخاطب ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ہمیں چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(۲۶)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ (۲۷)

اور اگر تم میں اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس آیت میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ "ردّالی اللّٰہ" سے مراد "کتاب اللہ" اور "ردّالی الرسول" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجوع کرنا مراد ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس بات کا صریح حکم کو ڈھونڈنا ہے اور قرآن کا یہ حکم تمام باتوں کے لئے آیا ہے۔

اور تیسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ط (۲۸)

اور اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کر دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

یہ بھی مذکورہ اوصاف کے ساتھ تمام باتوں میں عام ہے۔

اور چوتھی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْتَبِرُوا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ O (۲۹)

سواے دانش والو (دانش مندو)، عبرت حاصل کرو۔

یہ آیت بھی ہر بات کے لئے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام حوادث و واقعات میں جن کے متعلق قرآن و سنت کی صریح اور صاف ہدایت موجود نہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کرنے کو درست قرار دیا۔

فقہی بصیرت نہ رکھنے والوں کا حکم

ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ "باب القول فی تقلید المجتہد" میں رقم طراز ہیں:

وہ عامی شخص جو اجتہاد کا اہل ہی نہیں ہے جب کسی نئی صورت حال سے دوچار ہو جائے تو اسے اہل علم سے پوچھنا چاہئے ،اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔(۳۰)

چنانچہ فرمایا گیا ہے:

فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O (۳۱)

سواگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

اور دوسری جگہ حکم دیا گیا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ O (۳۲)

یہ کیوں نہ ہو کہ ہر ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ یہ (باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور سو کیوں نہ نکلا تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائے ڈراتے رہیں عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

یہاں امت مسلمہ کو پیش آنے والے واقعات و حوادث میں اہل علم کے قول کو قبول کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کو صریح حکم دیا گیا کہ فقہا کی ایک جماعت تیار کریں جو دینی امور میں ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دے، چنانچہ امت مسلمہ کے فقہا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی) اور دور تابعین اور اس کے بعد سے اب تک (چودہویں صدی ہجری تک) فقہی

بصیرت سے امت مسلمہ کی برابر رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس ورائے (فقہی بصیرت) کو خود بھی بعض مواقع میں استعمال فرمایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت سیدھے سادھے انداز سے اس طریقے کو سمجھایا اور اس کی تربیت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے گوناگوں شعبوں میں ان کی تربیت جس انداز سے کی اس کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

حج کی ادائیگی

ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی وہ حج نہ کر سکی اور مرگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> لو کان علیها دین أکنت قاضیه قال: نعم قال: فاقض دَیْنَ اللّٰهِ فَهُوَ احقّ بالقضاء۔(۳۳)
>
> تیری بہن پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ بولا جی ہاں، فرمایا اس کو ادا کر، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قرض کو انسان کے قرض پر قیاس کیا یہ علت دونوں میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔

اسی طرح خثعمیہ نامی ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے باپ پر حج فرض ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اس پر قرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی؟ تو کیا وہ کافی ہو جاتا اس نے کہا جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ کا قرض ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (۳۴) ایک خاتون کو بھی فقہی بصیرت سے آشنا کر دیا۔

میاں بیوی کی معاشرتی زندگی کا پہلو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی کہ ایک دن میں خوشی میں تھا، میں نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیا۔ (تو کیا روزہ جاتا رہا)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غور کرو اگر تم نے روزے کی حالت میں منہ میں پانی لیا اور اسے منہ میں پھرایا، کلی کی تو کیا ہوگا؟ بولے یہ کوئی حرج کی بات نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا ہوا؟ روزہ پانی کے حلق سے اترنے سے ٹوٹے گا؟ اگر پانی حلق سے نہیں اترا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ (۳۵) یہاں صرف بوسہ لینا یہ صورت ایسی ہے جیسے منہ میں پانی ڈالا اور وہ حلق سے نیچے نہ اترا۔ روزہ برقرار رہا، علت دونوں میں یکساں ہے لہٰذا جو حکم ایک کا ہے وہی حکم دوسرے کا ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کی کہ مالدار صدقہ خیرات کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ آخرت میں ہم سے بازی لے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی یہ کرتے ہو، میں نے عرض کیا وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ خیرات نہیں کرتے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے بھی صدقہ ہے۔ تمہارا راستے سے ہڈی اٹھانا صدقہ ہے، تمہارا گناہ سے بچنا بھی صدقہ ہے، تمہارا کمزور کی مدد کرنا صدقہ ہے، اور تمہارا اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہمیں اپنی شہوت پوری کرنے پر اجر دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ذرا غور کرو اور دیکھو) اگر تم یہی کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کرتے تو کیا تم گنہگار نہ ہوتے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو کیا تم اپنے آپ کو شر و بدکاری سے نہیں روکتے ہو، اور کیا تم یہ نیک کام انجام نہیں دیتے ہو، (۳۶) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا، قیاس کے طریقے سے ان کی رہنمائی فرمائی۔

معاملاتی پہلو

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سفر میں کسی قبیلے میں اتری (اس زمانے میں ان میں مہمانداری عام تھی لیکن انہوں نے نہیں پوچھا اور ہوٹل وغیرہ کا اس زمانے میں رواج نہ تھا) اتفاقاً اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، انہوں نے اس کے علاج کی

کوشش کی وہ سود مند نہ ہوئی، قبیلے کے چند لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے بھی پوچھو چنانچہ انہوں نے کہا کیا تم میں کوئی سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے؟ ان میں سے ایک بولا جی ہاں، میں جانتا ہوں، میرے پاس اس کا منتر ہے لیکن تم نے ہماری مہمانداری نہیں کی۔ اس لئے ہم بھی بلا اجرت اس پر جھاڑ پھونک نہیں کریں گے، چنانچہ بکریوں کے ایک مختصر گلے پر معاملہ طے ہو گیا وہ گیا اور اس نے الحمد شریف پڑھ کر دم کیا، سانپ کا زہر اتر گیا، چنانچہ معاملے کے مطابق جو طے تھا وہ انہیں دیا گیا صحابہؓ میں بعض نے کہا یہ آپس میں تقسیم کرو، چنانچہ دم کرنے والا بولا یہ ابھی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تقسیم کریں گے، چنانچہ مدینہ آکر یہ قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ الحمد اس کا منتر ہے؟ (انہوں نے عرض کی الحمد شریف ہر مرض سے شفا ہے) آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا، باہم تقسیم کرو اور میرا بھی ایک حصہ رکھو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۳۷)

یہاں صحابیؓ نے منتر کے عوض اجرت کو دوا کے عوض واجرت پر قیاس کیا، اس لئے کہ علت جامعہ دونوں میں عوض واجرت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجتہاد کی وجہ سے دوہرے اجر ملنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نئے مسائل کے حل میں اجتہاد نہایت کامیاب ترین طریقہ ہے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ اصول فقہ کے مبادی عہد رسالت ہی میں ظاہر ہو گئے تھے۔ (۳۸)

تجارت کے پہلو

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لعن اللّٰہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فحملوھا فباعوھا (۳۹)

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو، (گردے، آنتیں، اور معدے کی) چربیاں ان پر حرام کی گئی تھیں۔ انہوں نے اس کو چھوڑا نہیں، انہوں نے ان سے مالی فائدہ اٹھایا، انہیں بیچا اور بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔

چربی سے فائدہ اٹھانا حرام تھا، انہوں نے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا، یہاں دیکھئے "اکل" (کھانا) بھی (باعثِ) انتفاع تھا اور خرید و فروخت کر کے مالی فائدہ اٹھانا بھی (باعث) انتفاع

ہے۔ دونوں میں علت (انتفاع) یکساں موجود ہے تو حکم بھی دونوں کا یکساں ہوگا۔

رنگ روپ کا پہلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میرے یہاں کالا بچہ پیدا ہوا ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں موجود ہیں، رسول اکرم ﷺ نے پوچھا ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے بتایا وہ سرخ ہیں، پھر سرور عالم ﷺ نے اس سے پوچھا: ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں موجود ہے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا ممکن ہے مادہ کی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: تو تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا۔ (۴۰)

ملاحظہ فرمائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے کے رنگ روپ کے اختلاف کو اونٹ کے رنگ روپ کے اختلاف پر قیاس کیا۔ اور آدمی کو بھی فقہی بصیرت کا ڈھنگ بتا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک چیز کا حکم اس کی نظیر سے پیش کر کے بتاتے تھے۔ (۴۱) چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا! تمہاری بیوی سے ہمبستری کرنا بھی صدقہ و خیرات کا حکم رکھتا ہے۔ صحابی نے عرض کیا، کیا ہمیں اس شہوت کی تسکین کرنے میں بھی اجر دیا جاتا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے اس سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم یہ کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کرتے تو تم گنہگار نہ ہوتے؟ (معلوم ہوا جہاں نکاح کی علت نہ پائی جائے گی وہاں یہ کام گناہ اور حرام ہوگا) صحابی نے عرض کی جی ہاں ہوتا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس طرح تمہارا برے کام پر مواخذہ اور گناہ ہوگا، اسی طرح خیر کے کام پر اجر ملے گا، تو دیکھئے رسول ﷺ نے قیاس کیا اور محظور کا مقابلہ مباح سے کر کے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح محظور کے ارتکاب پر گناہ اور محاسبہ ہوتا ہے اس کے مقابل مباح کے ارتکاب پر اجر ملتا ہے۔

بصیرت کے استعمال کی ترغیب اور ہمت افزائی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے عمرو، ان کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے

عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کے باوجود تم کرو، انہوں نے عرض کی، اس فیصلے پر مجھے کیا ملے گا؟ میں کیونکر فیصلہ کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ٹھیک فیصلہ کیا تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں بھول چوک ہوئی تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔ (۴۱)

اور عقبہ بن عامر سے بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

شرائط صلح کی پابندی میں قیدی صحابیؓ کی فقہی بصیرت

صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے چنگل سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے تو صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق قریش نے دو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ شرط کے مطابق ابو بصیرؓ کو واپس کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کیا، جب مدینہ سے باہر نکلے تو ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک کو جان سے مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر واپس حضور اکرم ﷺ کے پاس آگیا اور ابو بصیر کے کارنامے کی خبر کی، ابو بصیرؓ سیف البحر (ساحل سمندر) جا پہنچے۔ یہ خبر جب مکہ میں کچھ مسلمانوں کو لگی تو وہ بھی ابو بصیرؓ سے جا ملے اور مشرکین پر حملے شروع کئے۔ (۴۳)

ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھی یہ کام اپنے اجتہاد سے کرتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی نکیر اور گرفت نہیں کی اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدود و شرائط سے خارج تھے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مسلمانوں کو جو خط ابو بصیرؓ سے جا ملنے کے لئے لکھا تھا وہ حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے نہیں لکھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نکیر بھی نہیں کی۔ اور نہ حضرت ابو بصیرؓ کے کافر کو قتل پر کوئی گرفت کی اور نہ ان کے قیام ساحل سمندر پر کوئی باز پرس کی۔ اور نہ ان سے جا ملنے والوں پر کچھ گرفت کی، اس لئے کہ یہ ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی فکر و نظر کا نتیجہ و ثمرہ تھا اور درست تھا۔

نماز کی امامت میں فقہی بصیرت

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قوم و قبیلے میں جو سب سے بڑا قاری ہو وہ امامت کرے اور قرأت میں سب برابر ہوں تو جو ان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو وہ

امامت کرے، چنانچہ دو ہم رتبہ اور قریب قریب میں سے ایک کو زیادہ بڑا قرار دینا اجتہادی امر ہے۔(۴۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ تم اپنی کمزور قوم کے امام ہو، لہٰذا کمزور ترین کی اقتدا کا خیال رکھو، کمزور ترین کو جاننا اجتہادی طریقے سے ہی ہو سکتا ہے۔(۴۵)

نماز میں شک اور فقہی بصیرت سے فیصلہ

اسی طرح نماز کے اندر شک میں مبتلا شخص کا ظنِ غالب پر عمل کرنا یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے۔

امان و سفارش

اسی طرح حضرت عثمانؓ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ ہے جن کے قتل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا پھر بھی حضرت عثمانؓ نے انہیں "امان" دی اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر بیعت کی سفارش کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اس خیال سے کہ اس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے کوئی اسے آکر قتل کر دے کچھ دیر رکے رہے۔ جب کوئی آگے نہ بڑھا تو رسالتمآب ﷺ نے اس کو بیعت کر لیا۔

حضرت عثمانؓ کی "امان دہی اور سفارش" اجتہادی کام تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں کی۔(۴۶)

میدان جنگ میں انتخاب امیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ ۸ھ میں لشکر روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ جعفرؓ بن ابی طالب (۸ھ / ۶۲۹ء) شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہؓ ۸ھ / ۶۲۹ء) کو امیر لشکر بنایا جائے یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ (۸ھ / ۶۲۹ء) کو امیر بنایا جائے، یہ بھی شہید ہو گئے تو لشکر بغیر امیر لشکر رہ گیا، یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنی فقہی بصیرت سے حضرت خالد بن ولیدؓ (۲۱ھ / ۶۴۲ء) کو امیر لشکر چن لیا، جب دربار رسالت ﷺ میں اس امر کی اطلاع کی گئی تو رسول اکرم ﷺ نے اس اجتہادی عمل کو درست قرار دیا۔(۴۷)

طہارت میں پانی پر قادر نہ رہنے میں فقہی رہنمائی

اسی طرح غزوۂ ذات السلاسل ۷ یا ۸ ہجری میں سردی کی رات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا، چنانچہ انہیں یہ ڈر ہوا کہ اگر میں نہایا تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تیمم کیا اور صبح (فجر) کی نماز پڑھائی صحابہ کرامؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا:

یا عمرو صلیت باصحابك وانت جنب ؟

اے عمرو! تم نے احتلام کی حالت میں اپنے رفقا کو نماز پڑھا دی؟

(حضرت عمرو فرماتے ہیں) نہ نہانے کی میں نے وجہ بتائی اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً ۝ (۴۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قیاس شرعی کو تسلیم کیا، نہ کوئی گرفت کی نہ ملامت اور تقریراً آپ نے ان کے اجتہاد اور فقہی بصیرت کو درست قرار دیا۔(۴۹)

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ نے جان کی ہلاکت کی صورت کو تیمم کے جواز کی صورت پر قیاس کیا، کیونکہ دونوں صورتوں میں علت مشترکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ رہنا ہے۔(۵۰)

عن ابی سعید رضی اللّٰہ عنہ ان رجلین تیمما و صلیّاثم وجداماءاً فی الوقت فتوضأاحد ھما و عا دلصلاتہ ماکان فی الوقت ولم یعد الاخر فسألا النبی ﷺ فقال للذی لم یعد اصبت السنة و اجزاتك صلاتك وقال للاخر اماانت فلك مثل سھم جمع۔(۵۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی، پھر وقت کے رہتے رہتے پانی مل گیا، ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ان دونوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں جا کر یہ واقعہ بیان کیا، اور اس کے متعلق حکم پوچھا۔

جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سنت کے مطابق عمل کیا، تم نے جو نماز پڑھی وہ کافی ہو گئی، اور دوسرے

شخص سے فرمایا تم کو ثواب کا پورا حصہ ملے گا، یعنی تم نے دونوں نمازوں کا ثواب پایا۔ (اس نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے دوہرا اجر پایا)۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال قال النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الاحزاب لا یصلّین احد العصر الا فی بنی قریظۃ فادرك بعضھم العصر فی الطریق، فقال بعضھم لا نصلّی حتّٰی نأتیھا، وقال بعضھم بل نصلی لم یرد منّا، ذالك، فذکر ذالك للنبیّ ﷺ فلم یعنّف واحد امنھم۔ (۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق ۵ھ میں (جب جنگ ہو چکی) یوں فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں آ پہنچا۔ تو بعض نے کہا ہم تو جب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ لیں گے۔ عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں اس واقعہ کا ذکر آیا، رسول اللہ ﷺ نے کسی پر خفگی نہیں کی، ہر ایک کے عمل کو درست قرار دیا۔

عہدِ رسالت میں دو مجتہد کی اجتہادی آرا

نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو جماعت ہو گئیں، ایک نے راستے میں وقت پر نماز ادا کی، اور دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، دونوں کا انداز فکر و نظر جداگانہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا نماز کا وقت راستے میں آ گیا ہے۔ یہیں ادا کرنا ہے۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ دونوں کی نیت بخیر تھی، اس لئے کسی پر ملامت و گرفت نہ کی۔

اس انداز تربیت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مجتہد ہر اس مسئلے میں جس میں نص موجود نہ ہو، اپنی فقہی بصیرت پر عمل کر سکتا ہے اس کی رائے درست نہ ہو تو بھی اس سے مواخذہ نہ ہو گا،

بلکہ حق کی جستجو میں جو کوشش کی ہے اس کا ایک اجر ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔(۵۳)

قاضی عیاض مالکیؒ حدیث مذکور کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

قال الا مام: هذا فيه دلالة على أن الأثم موضوع فى مسائل الفرع و ان كل مجتهد غير ملوم فيما ادّاه اجتهاده اليه بخلاف مسائل الأصول وكان هؤلا لمّا تعارضت عندهم الأدلّة فالأ مر بالصلاة لو قتها يو جب تعجيلها قبل وصول بنى قريظة و الأمر بألايصلى إلاّ فى بنى قريظة يوجب التأخير وإن فاتت الوقت فاىّ الظاهرين يقدم وأىّ العمومين يستعمل؟ هذا موضع الإشكال وللنظرفيه مجال۔

قال القاضى : مفهوم مراد النبى صلى الله عليه وسلم الاستعجال الى بنى قريظه دون التوانى لا قصد تأخير الصلاة نفسهافمن اخذ بالمفهوم صلّى حين خاف فوات الوقت، ومن اخذ بظاهر اللفظ أخّرففيه حجة للقائلين بالظاهر وللقائلين بالمفهوم۔(۵۳)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فروعی مسائل میں (مجتہد سے) بھول چوک معاف ہے۔ اور ان فروعی مسائل میں سے جس مسئلے (کے نتیجے) تک مجتہد کا اجتہاد اسے پہنچائے، اس میں مجتہد کی ملامت وگرفت نہیں کی جائے گی، اس کے برعکس اصول کے مسائل (یعنی عقائد) میں معاف نہیں۔ اور یہ مذکورۂ بالا صورت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں دلائل متعارض ہوگئے، چنانچہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا کیا جائے۔ اور أن لا يصلى إلاّفى بنى قريظة۔ کا حکم اس امر کو چاہتا ہے نماز وقت نکلنے کے بعد بنی قریظہ میں پڑھی جائے۔ تو کون سے ظاہر کو مقدم کیا جائے، اور کون سے عام پر عمل کیا جائے؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی ۵۴۴ھ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا نفس نماز کو مؤخر کرنا اس میں سستی اور کوتاہی کرنا مراد نہ تھا۔ جس نے اس مفہوم کو لیا اس نے نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے نماز وقت میں ادا کی اور جس نے ظاہر لفظ کو لیا، مقصود کو نہ سمجھا اس نے اس پر عمل کیا اور نماز مؤخر کی، تو اس حدیث میں دونوں مکاتب فکر کی دلیل موجود ہے۔ جو مکتب فکر ظاہری الفاظ پر عمل کا قائل ہے۔ اس کی بھی دلیل ہے اور جو مکتبہ فکر منشاء و مقصد (بات کی تہہ تک پہنچنے) کا خوگر ہے اس کی بھی دلیل موجود ہے۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أمّا اختلاف الصحابة بالمبادرة بالصلوة عند ضيق و قتها وتأخير، فسببه أن أدلّة الشرع تعارضت عندهم بأن الصلوٰة مامور بهافي الوقت مع أن المفهوم من قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا يصلين أحد العصر الاّ في بني قريظة ، المبادرة بالذهاب اليهم وأن لا يشتغل عنه بشئ الا أنّ تاخير الصلوة مقصود في نفسه من حيث أنّه تاخير، فأخذبعض الصحابة بهذا المفهوم نظراً الٰى المعنىٰ لا إلى اللفظ، فصلّوا حين خافوا فوت الوقت، واخَذَ اخرون بظاهر اللفظ و حقيقته فاخروها ولم يعنّف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واحدا من الفريقين لانهم مجتهدون، ففيه دلالة لمن يقول بالمفهوم والقياس و مراعاة المعنى، ولمن يقول بالظاهر ايضاً، وفيه أنه لا يعنّف المجتهد فيما فعله باجتهاده، اذابذل وسعه في الاجتهاد۔ (۵۵)

نماز کا وقت تنگ ہو جانے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نماز اپنے وقت میں ادا کرنے، یا اس میں اتنی دیر کرنے میں کہ قضا پڑھنی پڑے اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ شریعت کے دلائل ان کی نظر میں متعارض ہو گئے۔ اس طرح کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

لایصلین احد العصرَأو الظہر الاَفی بنی قریظۃ۔ کاایک مفہوم یہ ہے کہ: بنی قریظہ کی طرف جانے میں جلدی کی جائے اور جلدی پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، محض نماز کی تاخیر مقصود نہیں، لہٰذا بعض صحابہؓ نے "لایصلین" کے معنی ومنشاء کے پیش نظر وقت پر نماز پڑھی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں جاکر قضا نماز پڑھی۔

> اس واقعے کا ذکر جب بارگاہ رسالت ﷺ میں کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی فریق پر نہ گرفت کی نہ ملامت کی، کیونکہ ہر فریق نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا، اس لئے اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ۱۔ ظاہر الفاظ پر اور ۲۔ قیاس رائے پر عمل کرنا۔ یہ دونوں درست ہیں۔
>
> چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کی بھی دلیل پوشیدہ ہے۔ جو اجتہاد و قیاس کے قائل ہیں۔ اور معنی و منشا کا خیال رکھتے ہیں اور اس فریق کی بھی دلیل موجود ہے۔ جو ظاہر الفاظ پر عمل پیرا رہتے ہیں، نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عمل کرنے میں ملامت نہیں کی جائے گی، جب کہ اس نے حق کی جستجو میں اپنی پوری کوشش کی ہو۔

اس حدیث پر علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ/۶۹۱ء) نے سیر حاصل بحث کی ہے وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

> فقہا کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق زیادہ حق سے قریب رہا ہے؟ فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے: کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مؤخر کی، وہ اپنے اجتہاد میں حق سے قریب رہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ایسا کرتے، جیسے انہوں نے نماز مؤخر کی، اور ہم بھی بنی قریظہ میں نماز پڑھتے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم: لایصلین أحد العصر إلاَ فی بنی قریظۃ۔ پر عمل پیرا رہتے فی الفور نماز نہ پڑھتے۔ اور فقہا کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں اپنے وقت پر نماز پڑھی، انہوں نے سبقت کی فضیلت

حاصل کی، اور دونوں فضیلتوں سے سرفراز ہوئے، اس لئے کہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو: ۱۔ جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی۔ ۲۔ اور اپنے وقت پر نماز پڑھنے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی خاطر جلدی کی۔ ۳۔ پھر قوم کے ساتھ جاملنے میں بھی جلدی کی۔ تو انہوں نے جہاد کی فضیلت بھی پائی، نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کو پانے میں بھی کامیاب رہے یہ جماعت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ فقیہہ نکلی اور خاص کر یہ نماز تو عصر کی نماز تھی، اور یہی صلاۃ الوسطیٰ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح صریح نص کی وجہ سے، جس کا کوئی معارض نہیں اور اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔ نماز عصر کی پابندی کرنے اس میں تاخیر نہ کرنے، اس کو جلدی پڑھنے کے متعلق حدیث میں تاکید آئی ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث بھی موجود ہے کہ جس سے یہ نماز فوت ہوئی تو گویا کہ اس کے اہل وعیال اور مال سب برباد ہوگئے، اس کا عمل ضائع ہوگیا۔ پس جو تاکید اس نماز کے متعلق آئی ہے اس جیسی تاکید اس کے سوا دوسری نمازوں کے متعلق نہیں آئی۔ بہرحال! جن حضرات نے نماز مؤخر کی ان کے پاس بھی نماز مؤخر کرنے کا عذر موجود ہے۔ ان کو ایک اجر ملے گا، یہ اس لئے ملا کہ انہوں نے ظاہر نص کو نہیں چھوڑا ان کی غرض اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل تھی اسی لئے حق تک رسائی میں ان دونوں میں سے کوئی بھی خطاکار نہیں۔ بلکہ جن صحابہؓ نے راستے میں نماز پڑھی، انہوں نے دونوں دلائل میں موافقت اور تطبیق کی دونوں فضیلتوں کو حاصل کیا۔ اس لئے ان کے لئے دوہرا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اجر کے مستحق ہیں۔ (۵۶)

آپ نے دیکھا کہ جس جماعت نے نماز وقت پر ادا کی اس نے اپنی فقہی بصیرت سے گوناگوں اجر کس خوبی سے سمیٹے! یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر فقیہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے۔ اور اس کا مرتبہ دوسروں سے بلند تر رہتا ہے۔

رسول ﷺ کا اپنی رائے کے بجائے صحابہؓ کی رائے سے اتفاق

ان الامرلماضاق على المسلمين في حرب الاحزاب، وكان في الكفار قوم من اهل مكة عونالهم رئيسهم عينية بن حصن الغزاري، ابوسفيان بن حرب، بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى عينية وقال: ارجع انت و قومك ولك ثلث: ثمار المدينة، فأبى الاَّ اِن يعطيه نصفها فاستشار في ذلك الانصار و فيهم سعد بن معاذ و سعد بن عبادة رئيسا الأوس والخزرج فقالا: هذا شيئ أمرك الله به أم شيئ رأيته من نفسك قال، لابل رائي رائيته من عند نفسي، فقالا: يا رسول الله لم ينالوا من ثمار المدينة الابشراء او بقرى فاذا اعزنا الله بالاسلام لا نعطيهم الدنيه، فليس بيننا و بينهم الَّا السيف، و فرح بذلك رسول الله ﷺ ثم قال للذين جاؤابالصلح : اذهبوا فلا تعطيهم الا السيف(۵۷)

غزوہ احزاب میں مسلمانوں پر جب جنگ کا معاملہ پریشان کن ہو گیا اور کفار (کے لشکر) میں مکہ کے لوگوں کی ایک جماعت ان کی معاونت کر رہی تھی ان کے سردار عینیہ بن حصن اور ابوسفیان بن حرب تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عینیہ کے پاس (ایک قاصد) بھیجا اور فرمایا: تو اور تیری قوم (کفار کی نصرت و مدد چھوڑ کر) مکہ لوٹ جائے تو تمہارے لئے مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ ہوگا تو اس نے صاف انکار کر دیا، مگر یہ کہ آپ ہمیں آدھے پھل دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں انصار سے مشورہ کیا اور ان میں قبیلہ اوس و خزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے تو ان دونوں نے حضور سے پوچھا اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ میری

اپنی رائے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ان مکہ والوں کو خرید و فروخت اور مہمانداری کے علاوہ مدینہ کے پھل نہیں ملے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے تو ہم ان کو گئی گزری چیز بھی نہیں دیں گے، ہمارے اور ان کے درمیان میں (فیصلہ کن چیز) صرف تلوار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کی) اس بات سے مسرور ہوئے پھر ان کی طرف سے صلح کے لئے آئے ہوئے لوگوں سے کہا: جاؤ، اب تو ہم ان کا تلوار ہی سے فیصلہ کریں گے۔

رائے کے استعمال پر اظہار مسرت

عن رجال من أصحاب معاذ: أنّ رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لمّا بعثه إلى اليمن، قال: كيف تقضي؟ قال: بكتاب اللّٰه عزّوجل قال: فإن لم تجد في كتاب اللّٰه؟ فقال: بسنّة رسول اللّٰه ﷺ قال: فإن لم يكن في سنة رسول اللّٰه ؟ قال: أجتهد برأيي، فقال: الحمد لِلّٰه الذي وفق رسول رسول اللّٰه لِما يُحبّه رسول اللّٰه، فأجاز له الا جتهاد فيها لا نصّ فيه۔

ومن جهة أخرىٰ أنّ هذا الخبر قدتلقاه النّاس بالقبول، واستفاض، واشتهر عندهم من غير نكيرمن أحدِمنهم على روانه، ولا ردّله وايضاً : فإن اكثر أحواله أن يصير مرسلا، والمرسل عند نامقبول۔ (۵۸)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جب یمن کی طرف (قاضی بناکر) بھیجا تو پوچھا! (جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا) کیسے فیصلہ کروگے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کی! رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا! اگر سنت رسول اللہ

ﷺ میں نہ ملے؟ عرض کی اپنی رائے واجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ تو سرور کونین ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے) فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول وسفیر ایسی چیز کی توفیق عنایت فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت عطا کی تھی، اس حدیث کو عوام و خواص میں قبول عام حاصل ہے اور اہل علم کے یہاں اس حدیث کو بغیر کسی انکار و رد کے شہرت حاصل ہے۔ نیز (یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے) کہ بیشتر راویوں نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہمارے (حنفیہ) کے یہاں مقبول اور قابل حجت ہے۔

حضرت معاذؓ کے ارشاد اجتہد برائی کی تشریح صحیح البخاری و سنن ابی داؤد کے اولین شارح امام ابو سلیمان الخطابی التوفی ۳۸۸ھ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

قال الخطابی اجتهد رائی یرید الا جتهاد فی ردالقضیة من طریق للقیاس إلیٰ معنی الکتاب والسنة ولم یرد الرائی الذی یسخ له من قبل نفسه اویخطر بباله من غیرأصل من کتاب أوسنّة وفی هذااثبات القیاس وإیجاب الحکم به (۵۹)

"اجتہد رائی" سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد وہ اجتہاد ہے جس میں قیاس کے ذریعہ غیر منصوص مسئلے کے حکم کو قرآن و سنت کے معنی و منشاء کی طرف لوٹایا جائے۔ نہ کہ اس رائے کی جو محض نفسانی خواہش کی بنا پر ظاہر ہو۔ یا وہ رائے جو قرآن و سنت کی اصل کے بغیر یوں ہی دل میں کھٹکنے لگے۔ یہ حدیث قیاس کے ثبوت کی دلیل ہے۔ نیز اس امر کی دلیل ہے کہ قیاس جو حکم ثابت کرتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔

فقہا محدثین میں حافظ ابن کثیر التوفی ۷۷۴ھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے ماخذ و سند کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا الحدیث فی المسند والسنن باسنادجید۔ (۶۰)

بہ حدیث مسند احمد اور سنن کی کتابوں میں عمدہ سند کے ساتھ آئی ہے۔

فقہی بصیرت سے صحابہ کرامؓ کی آراستگی

اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت سے آراستہ تھے۔ اور اس صفت کے اصل مصداق رسول ﷺ کے صحابہؓ ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابواسحاق شیرازی شافعیؒ المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" میں رقم طراز ہیں:

اعلم أن أكثرأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين صحبوه و لازموه، كانوا فقهاء وذلك أن طريق الفقه فى حق الصحابة (رض) خطاب الله عزوجل، و خطاب رسول (صلى الله عليه وسلم) وعقل منهما وأفعال رسول الله صلى الله عليه وسلم وماعقل منها فخطاب الله عزوجل هو القران الكريم وقدأنزل ذلك بلغتهم على أسباب عرفوها وقصص كانوا فيها فعرفوا مسطوره، ومفهومه، ومنصوصه، و معقوله، ولهذا قال أبوعبيد فى كتاب المجاز:

لم ينقل أن احداً من الصحابة رجع فى معرفة شئى فى القران الكريم إلى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وخطاب رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أيضاً بلغتهم يعرفون معناه ويفهمون مبهمه وفحواه، وأفعاله هى التى فعلهامن العبادات و المعاملات والسير والسياسات وقد شاهدوا ذلك كله، وعرفوه، وتكرر عليهم، و بحيروه ولهذ اقال صلى الله عليه وسلّم أصحابى كاالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم ولان من نظرفيما نقلوه عن رسول الله (صلى الله عليه وسلّم) من أقواله وتأمل ماوصفوه من أفعاله فى العبادات وغيرها اضطروه إلى العلم بفقههم و فضلهم، غير أن الذى اشتهر منهم بالفتاوى والأحكام وتكلم فى الحلال

والحرام جماعة مخصوصة۔ (۶۱)

اس حقیقت کو سمجھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر صحابی جنہوں نے ان کی صحبت اٹھائی اور ان سے وابستہ رہے، وہ سب فقیہ ہیں اور بلاشبہ یہ فقہ (شریعت کو سمجھنے سمجھانے) کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں آیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب (اوامر و نواہی) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابؐ سے جو کچھ سمجھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال اور تقریرات (معرض بیان میں آپ ﷺ کے سکوت کرنے اور نکیر نہ کرنے) کو جانا اور سمجھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔ وہی قرآن کریم ہے۔ جو انہی کی زبان میں ہے۔ ان اسباب کی وجہ سے جنہیں یہ جانتے اور ان واقعات کے تحت جو ان کے سامنے پیش آئے تھے یہ ان سے واقف تھے، اتارا گیا انہوں نے نوشتۂ وحی کو سمجھا اس کے منشا و مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کے صریح اور غیر صریح احکام کو سمجھا۔ ابو عبید قاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۴ھ) نے "کتاب المجاز" میں کہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے قرآن کی کسی صریح وصاف بات کو سمجھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ان سے انہی کی زبان میں ہوتا تھا وہ اس کے معانی و مطالب کو جانتے اس کی مبہم بات کو سمجھتے تھے۔ اس کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جن کا تعلق عبادات، معاملات، عادات و اطوار اور سیاسات سے ہے، ان سب کا انہوں نے مشاہدہ کیا، دیکھا، اور سمجھا تھا۔ اور جو باتیں ان کے سامنے بار بار آتی تھیں ان کی گہرائی تک پہنچتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم۔

(میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں تم جس کی پیروی کرو گے رہنمائی پاؤ گے۔) اس لئے جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نقل کئے ہیں غور و فکر کرے گا اور ان

اعمال میں جن کا تعلق عبادات وغیرہ سے ہے، نقل کرے گا وہ ان کے علم و دانش، فہم و فراست اور فضل و کمال کی طرف اپنے آپ کو مجبور و محتاج پائے گا، یہ اور بات ہے کہ ان اکثر و بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ صحابہ جنہیں فتویٰ دینے، حلال و حرام سے بحث کرنے (اور مشکل مسئلوں کا حل نکالنے) میں شہرت حاصل تھی وہ ایک مخصوص جماعت تھی۔

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔(۶۲) ان میں اکثر و بیشتر فقیہ تھے۔ لیکن ہر ایک صحابیؓ مجتہد نہ تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو فتویٰ دینے کا اہل سمجھتا اور نہ اسلامی معاشرے میں اس کو اس اہم ذمہ داری کا اہل سمجھا جاتا تھا۔

مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اوپر تصریح گزر گئی ہے کہ صحابہؓ کی مذکورۂ بالا تعداد میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بکثرت فتویٰ منقول ہیں ایسے کل سات مجتہد صحابی ہیں اور جن سے کم فتوے منقول ہیں وہ تیرہ مجتہد صحابیؓ ہیں۔ اور جن سے کم تر صرف ایک دو فتوے منقول ہیں وہ ایک سو بیس ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ کی کل تعداد میں صرف سات ہی سر بر آوردہ مجتہدین کو شمار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ سولہ ہزار دو سو پچاسی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں صرف ہمیں ایک ہی عظیم ترین مجتہد نظر آتا ہے۔

اور اگر ان تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کے فتوے کم منقول ہیں ان سات عظیم ترین مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن سے بکثرت فتوے منقول ہیں، ملائیں تو ان عظیم ترین اور عظیم تر سب کی تعداد بیس ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پانچ ہزار سات سو کی جماعت میں ہمیں ایک مجتہد ملتا ہے۔

مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات

علامہ ابن حزم التوفی ۴۵۶ھ نے عہد صحابہؓ میں مجتہدین صحابہؓ کے تین طبقات بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

لم ترو الفتیافی العبادات والاحکام الاّ عن مائة ونیف وثلاثین منهم فقط من رجل و امراة بعد التقصی الشدیدة۔ (۶۳)

عبادات اور ایسے مسائل میں جن میں شریعت کا حکم درکار ہوتا ہے فتوے دینے والے صحابی اور صحابیہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بہت چھان بین کے بعد پتہ لگ سکا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر ہے، ان مجتہدین صحابہؓ کے تین طبقات ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ یہ وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن کے فتووں کی سنن و آثار کی کتابوں میں اتنی کثرت اور بہتات ہے کہ انہیں یکجا کیا جائے تو ایک بڑی موٹی جلد تیار ہو جائے۔

۲۔ دوسرا طبقہ متوسطین صحابہؓ کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہؓ کا طبقہ ہے جن کے فتووں کی کتب و آثار و سنن میں اتنی کثرت نہیں کہ موٹی سی ایک کتاب بن جائے لیکن اتنی تعداد ضرور منقول ہے کہ ان سے ایک رسالہ ترتیب پا جائے۔

۳۔ تیسرا طبقہ مقلین کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہؓ کا طبقہ ہے جن سے اتنے فتوے بھی حدیث کی کتابوں میں منقول نہیں کہ ایک چھوٹا موٹا رسالہ ہی بنایا جا سکے۔ بس ایک دو فتوے ہی منقول ہیں وہ ایک جز (ایک یا دو ورق) میں آجائیں گے۔

چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں کہ:

مکثرین: کثرت سے فتوے دینے والے سات ارباب فتویٰ صحابی یہ ہیں،

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ، ۲۔ حضرت عمر بن الخطابؓ ان کے فرزند، ۳۔ حضرت عبداللہؓ، ۴۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب، ۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ۷۔ حضرت زید بن ثابتؓ ہیں اور یہ سات صحابہؓ ہیں ان میں سے ہر ایک کے فتووں کو جمع کیا جائے تو وہ ایک موٹی کتاب بن جائے، ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے فتووں کو جمع کیا تو وہ بیس کتابوں میں یکجا ہوئے تھے، ابو بکر محمد جس کا ذکر اوپر آیا ہے یہ علم فقہ و حدیث میں آئمہ اسلام میں سے ایک تھے۔

متوسطین میں وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن سے زیادہ فتوے منقول نہیں ان میں:

۱۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ، ۲۔ حضرت انس بن مالکؓ، ۳۔ حضرت ابو سعید خدریؓ،

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ، ۵۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، ۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، ۸۔ ابو موسیٰ اشعری، ۹۔ معاذ بن جبلؓ، ۱۰۔ حضرت ابو بکر الصدیقؓ، ۱۱۔ حضرت سعد بن الوقاص، ۱۲۔ حضرت سلمان فارسی، ۱۳۔ جابر بن عبداللہ شامل ہیں یہ تیرہ ۱۳/ صحابیؓ ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے فتوے اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ بن جائے گا۔ انہی میں ۱۔ حضرت طلحہؓ، ۲۔ حضرت زبیرؓ، ۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ۴۔ حضرت عمران بن حصینؓ، ۵۔ حضرت ابو بکرہؓ، ۶۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ، ۷۔ حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے ناموں کو اور بڑھایا جائے (تو ۱۳ میں سات کا اور اضافہ کیا جائے تو متوسطین کی تعداد بیس تک پہنچ جائے گی اس صورت میں مکثرین اور متوسطین کی مجموعی تعداد ستائیس ہو جائے گی)

باقی سب مقلین وہ صحابی ہیں جن میں ہر ایک سے ایک دو فتوے ہی منقول ہیں اور وہ بہت مختصر ہیں، ورق دو ورق سے زیادہ نہیں ہیں، ان سے ہر ایک کے فتووں کا بہت مختصر جزء بنے گا۔ (۶۴) مکثرین، متوسطین صحابہؓ کی مجموعی تعداد کے پیش نظر علامہ ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے شرح فتح القدیر میں لکھا ہے:

لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثر من عشرين (٦٥)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مجتہدین صحابہؓ کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی ہے۔

ان ارباب فتویٰ صحابہ کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ سے کچھ اوپر ہے۔ ان میں ایک سو بیالیس ۱۴۲/ صحابیؓ اور بیس ۲۰/ صحابیہؓ ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ ہی ہوتی ہے۔ (۶۶) لیکن ڈاکٹر احسان عباس، ڈاکٹر ناصر الاسد کی تحقیق اور شیخ احمد محمد شاکر کی مراجعت کے ساتھ ابن حزم کا تیسرا رسالہ ''اصحاب الفتیا من الصحابۃ و من بعد ہم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا'' میں ارباب فتویٰ صحابہ و صحابیات کی مجموعی تعداد ۱۴۹/ مذکور ہے، ہم نے اس نقص کو علامہ ابن حزم کی الاحکام ص ۹۳ سے مقابلہ کیا تو مجموعی تعداد تو درست نکلی لیکن صحابیات کی تعداد بیس نہیں بائیس ہے۔ اس لحاظ سے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی مجموعی تعداد ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مسلم معاشرے میں جب کبھی اور جہاں کہیں نت نئے مسائل پیش آئے، اکثر و بیشتر انہی سات اکابر مجتہدین صحابہؓ میں کسی نہ کسی کے پاس جاکر مسئلہ کا حکم، اس کا حل اور جواب پوچھا جاتا تھا اور جس سے معلوم کیا جاتا وہ اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کبھی فوراً

جواب دے کر سائل کو عمل کا راستہ بتاتا تھا جیسا کہ کسی نے میراث کا ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ دورانِ خطبہ ہی حضرت علیؓ سے پوچھا، اور آپؓ نے اسی وقت اس کا حل بتایا وہ جواب آج بھی مسئلہ منبریہ کے نام سے مشہور ہے، کبھی سائل سے کہا جاتا کہ بعد میں اس کا جواب دیا جائے گا، چنانچہ غور و فکر میں کبھی ایک مہینہ گزر جاتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہر اور میراث مفوضہ کے مسئلے کا جواب ایک مہینے کے بعد دیا تھا۔(۶۷) اور جب انہیں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا تھا تو ایسی خوشی ہوئی تھی کہ زندگی میں عظیم کارنامے انجام دینے پر انہیں اتنی خوشی و مسرت نہیں ہوئی ہوگی، جتنی اس مسئلہ کے حل اور رسالت مآب ﷺ کے جواب کے ساتھ مطابقت و موافقت سے ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ کی فطرت میں کیسا عظیم اجتہادی ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری، صحبت و خدمت نے صحابہؓ میں ایسا جلا و نور بخشا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو حل کرنا اور اس پر عمل کرنا انہیں آسان تھا۔ ان اکابر مجتہدین صحابہؓ کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت، مزاج شریعت سے مناسبت اور اس میں رسوخ و پختگی نے انہیں مرجع خلائق بنایا تھا، مسائل کے حل میں سب کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی تھیں اور انہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ میں سے ہر مجتہد نے جن مسائل کو حل کیا یہ انفرادی اجتہادی مسائل کا ذخیرہ ہر مجتہد کے انداز فکر و نظر کا شاہد اس کی اجتہادی آراو نظریات کا جامع اور اس کی اصابت رائے کا شاہکار ہے۔

مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ کے اجتہادی کام کی ابتدا عہد رسالت میں مدینہ منورہ سے ہوئی جیسا کہ گزر چکا، پھر جیسے جیسے اسلامی قلمرو کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، ان کی اجتہادی سرگرمیوں کا دائرہ بھی اسلامی مملکت کے مرکزی شہروں میں وسعت اختیار کرتا گیا، ان کی تعلیمی و تربیتی مساعی سے ان کے طلبہ اور شاگردوں میں اجتہادی سلیقہ پروان چڑھتا گیا، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اس بنیادی فریضے کو اسلامی قلمرو کے وسیع تر علاقے کے مرکزی شہروں میں انجام دینا شروع کیا۔

ان سات مجتہدین صحابہؓ کے جس مجتہدانہ کام کا آغاز عہد رسالت میں مدینہ سے ہوا تھا وہ سارے اسلامی قلمرو میں پھیلا اور ان مکثرین صحابہؓ کے اجتہادی کام کا سلسلہ عہد صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر ساتویں دہائی کے وسط میں اختتام پذیر ہوا اور ان کے

نامور شاگردوں نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن اس کا دائرہ انفرادی کوششوں تک محدود رہا، اور اسلامی قلمرو کی مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا۔ مگر شورائی نظام اجتہادی جس کا آغاز حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کیا تھا وہ اکابر مجتہدین کے اسلامی قلمرو میں مامور کئے جانے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔

عہدِ رسالت میں بعض صحابہؓ کی خدمتِ افتا

فتوے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا، قرآن میں اس کا ذکر ہے، یستفتونك (۶۸) صحابہؓ آپ ﷺ سے فتویٰ لیتے ہیں، سر نی حکم معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیتے تھے، آپ نے بعض مہاجر و انصار صحابہؓ کی بھی تربیت کی تھی اور وہ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے۔ (۶۹) ان میں چھ صحابہؓ کو شہرت حاصل تھی، تین مہاجر اور تین انصار تھے، چنانچہ حضرت سہل بن ابی خیثمہ ساعدیؓ اپنے والد حضرت ابو خیثمہؓ سے نقل کرتے ہیں:

> **كان الذين يُفقون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة من، المهاجرين و ثلاثة من الانصار، عمر، و عثمان و على و أبى بن كعب و معاذ بن جبل، و زيد بن ثابت۔ (۷۰)**
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے ان میں تین حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اور تین حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم انصاری تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں مجھے احادیث و اثار کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ زمانۂ رسالت میں افتا کی خدمت انجام دینے والے صحابہ آٹھ تھے، میں نے انہیں دو شعروں میں نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہیں۔

> **وقد كان فى عصر النبى ثمانية**
> **يقومون بالإفتاء قومة قانت**
> **فاربعة أهل الخلافة، معهم**

معاذ، أبی، و ابن عوف، ابن ثابت(۷۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آٹھ صحابہ فتاویٰ دینے کا ایسا اہتمام کرتے جیسے کوئی فرمانبردار اطاعت الٰہی کرتا ہے، ان میں چار خلفا راشدین حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مورخ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے کتاب المدہش میں عہد رسالت میں مفتیان صحابہؓ کی تعداد چودہ نقل کی ہے، موصوف کا بیان ہے:

من كان يفتي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبوبكر و عمر و عثمان و علي و عبدالرحمٰن بن عوف و ابن مسعود و أبي و معاذ و عمار و حذيفة، و زيد بن ثابت و ابو الدردا و أبو موسىٰ و سلمان (۷۲)

عہد رسالت میں جو صحابہؓ فتوے دیتے تھے وہ ا۔ حضرت ابو بکر عبداللہ بن عثمان تیمی قرشی (۵۱ق ھ ۔ ۱۳ھ / ۵۷۳ء۔۶۳۴ء)، ۲۔ حضرت عمر (۴۰ ق ھ۔۲۴ھ / ۵۸۴ء۔۶۴۴ء) ، ۳۔ حضرت عثمان (۴۷ق ھ۔۳۱ھ / ۵۷۷ء۔۶۵۶ء) ، ۴۔ حضرت علی (۲۳ ق ھ۔ ۴۰ھ / ۶۰۰۔۶۶۱ء)، ۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ ۔۳۲ھ / ۵۸۰ء۔ ۶۵۲ء)، ۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی (۰۰۰۔۳۲ھ / ..... ۔۶۵۳ء)، ۷۔ حضرت ابی بن کعب الانصاری (۰۰۰۔۲۱ھ / ۰۰۰۔۶۴۲ء)، ۸۔ حضرت معاذ بن جبل خزرجی انصاری (۲۰ ق ھ۔ ۱۸ھ / ۶۰۳۔۶۳۹ء)، ۹۔ حضرت عمار بن یاسر (۵۷ ق ھ ۔ ۳۷ھ / ۵۶۷۔۶۵۷ء)، ۱۰۔ حضرت حذیفہ بن الیمان (۰۰۰۔ ۳۶ھ / ۰۰۰۔ ۶۵۶ء)، ۱۱۔ حضرت زید بن ثابت خزرجی انصاری (۱۱ ق ھ ۔ ۴۵ھ / ۶۱۱۔ ۶۶۵ء)، ۱۲۔ حضرت ابوالدردا مویمر بن مالک (۰۰۰۔۳۲ھ / ۰۰۰۔۶۵۲ء)، ۱۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری (۲۱ ق ھ۔ ۴۴ھ /

۶۰۲۔۶۶۵ء)، ۱۴۔ حضرت سلمان فارسی (۰۰۰۔۳۶ھ / ۰۰۰۔۶۵۶ء) رضی اللہ عنہم تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں مجتہدین صحابہؓ کے فتووں پر عمل کیا جاتا تھا اوران کی فقہی بصیرت و تقلید کو راہ نجات سمجھا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ میں رائے اور فتووں پر عمل

خلافت راشدہ میں بھی رائے اور فتووں پر عمل کیا جاتا تھا چنانچہ فقہاسبعہ میں قاسم بن محمد بن ابی بکر المتوفی ۱۰۶ھ کا بیان ہے۔

ان ابابکر الصدیقؓ کان اذا نزل به امریرید فیه مشاورة اهل الرای واهل الفقه، و دعا رجالا من المهاجرین والا نصار، عمر و عثمان و علیا و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و أبی بن کعب و زید بن ثابت، و کل هولاء یفتی فی خلافة أبی بکر، و انماتصیر فتوی الناس إلی هولاء، فمضٰی أبوبکر علی ذلك، ثم ولی عمر فکان یدعوهؤلاء النفر، وکانت الفتویٰ تصیر و هوخلیفة إلی عثمان و أبی و زید۔

بلاشبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی نیا مسئلہ اور واقعہ پیش آتا وہ اس میں اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشورہ لینے کا ارادہ فرماتے تو مہاجرین وانصار میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلاتے تھے۔

اور یہی لوگ خلافت صدیقی میں فتوے [illegible] ے۔ او لوگوں کی طرف سے جو سوالات آتے وہ انہی کو پہنچائے جاتے [illegible] فتاویٰ کے مرجع تھے اور انہی کا فتویٰ چلتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلا[illegible] میں یہی معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کا زمانہ جب شروع [illegible] اتو وہ بھی انہی لوگوں کو بلاتے تھے اور انہی کے فتووں پر عمل جاری تھا۔ اور فتوے حضرت عثمان، حضرت علی اور

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو پہنچائے جاتے تھے۔
(حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور فرمانروائی میں یہ خود فتوے دیتے تھے)

عہد صحابہؓ میں چھ مجتہدین صحابہؓ کی آرا کی پیروی

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ "کتاب العلل" میں بلند پایہ فقیہ و حافظ حضرت مسروق کا بیان نقل کرتے ہیں۔

عہد صحابہؓ میں چھ صحابہؓ :۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ ق ھ ۔ ۲۴ھ / ۵۸۴۔۶۴۴ء)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۰۰۰۔ ۳۲ھ / ۰۰۰۔ ۶۵۲ء) ۳۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲۳ق ھ۔ ۴۰ھ / ۶۰۰۔۶۶۱ء) ۴۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۰۰۰۔۲۱ھ / ۰۰۰۔ ۶۴۲ء)۵۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۱۔۴۵ھ / ۶۱۱۔۶۶۵ء) ۶۔ حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ (۲۱ق ھ۔ ۴۴ھ / ۶۰۲۔۶۶۵ء) فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھہرتی ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو صحابہؓ کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ کے مقابلے میں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں اور حضرت زید حضرت ابی بن کعبؓ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دست بردار ہو جاتے تھے۔(۷۴)

اب یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تفقہ، فقہی بصیرت اور تفریع مسائل کا نام ہی رائے ہے۔ عہد رسالت، خلافت راشدہ اور عہد صحابہ (۷۵) سے اس سنت پر عمل برابر جاری و ساری تھا۔

عظیم مجتہدین کی عظیم تر مجتہدین کے حق میں اپنی فقہی آرا سے دست برداری

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں ایک عظیم مجتہد کا دوسرے عظیم تر مجتہد کے مقابلے میں اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا، اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن الکرخی (۲۶۰۔۳۴۰ھ / ۸۷۴۔۹۵۲ء) فرماتے ہیں۔

أن تقليد المجتهد لغيره ممن هو أعلم منه و ترك رأيه لرأيه

ضرب من الاجتهاد فی تقویة رأی الأخر فی نفسه علی رایه بفضل علمه و تقدمه و معرفة وجوه النظر والا ستدلال فلم، یحل فی تقلیده إیاه من إن یکون مستعملا لضرب من الاجتهاد یوجب عنده رجحان قول من قلده۔ (۷۶)

بلاشبہ ایک مجتہد کا اپنے سے بڑے مجتہد و عالم کی تقلید کرنا اور اپنی اجتہادی رائے کو اس کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں نظر انداز کرنا، دوسرے مجتہد کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں چھوڑنا دراصل اس کی ۱۔ علمی برتری اور علم میں اس کی پیش قدمی کی وجہ سے ہے۔ ۲۔ اس کی وجوہ نظر کی معرفت اور استدلال کے پیش نظر ترجیح دینا، اور اس کی تقلید کرنا، اس امر سے خالی نہیں کہ وہ اجتہاد کی ایک قسم پر عمل پیرا رہا، جس نے اس امر کو اس کے خیال میں ضروری کر دیا کہ اس نے جس کی تقلید اختیار کی ہے اس کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دے۔

چھ مجتہدین صحابہؓ میں سے تین صحابیؓ کوفی

چنانچہ مذکورہ بالا چھ علماء میں سے تین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا شمار مجتہدین فقہا کوفہ سے ہے۔ (۷۷) اور دوسرے تین حضرات علما و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورہ بالا چھ صحابہؓ کا شمار ان مجتہدین صحابہؓ میں ہے جنہیں فقہ و نظر میں بلند مقام حاصل تھا جو عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے اور فتویٰ دیتے تھے، چنانچہ مؤرخ ابن سعد ۱۶۸۔۲۳۰ھ نے "طبقات الکبریٰ" میں ایک مستقل باب:

ذکر من کان یُفتی بالمدینه ویُقتدی به من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم'

قائم کیا ہے اس میں ان مجتہدین صحابہؓ کو نام بنام گنایا ہے۔ (۷۸)

مجتہدین صحابہؓ میں تین صحابہؓ پر ابواب احکام کی انتہا

امام بخاری کے استاد علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ احکام سے

متعلق صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تین صحابہ پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۲۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔ (۷۹)

مذکورۂ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہؓ میں عوام الناس ان کے فتووں پر عمل پیرا رہتے تھے، غور فرمائیں کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟

حضرت ابن مسعودؓ و زید بن ثابتؓ اور ابن عباسؓ کے شاگرد اپنے استادوں کے اقوال اور فتاویٰ کے مقلد و ناشر

مؤرخ علامہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے بسندِ متصل علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ان الفاظ میں زینتِ کتاب کیا ہے۔

لم یکن من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم أحد له أصحاب یقومون له بقوله فی الفقه الا ثلاثة، عبداللہ بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عباس و کان لکل واحد منهم أصحاب یقومون لقوله و یفتون الناس۔ (۸۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں۔ مگر صرف تین صحابیؓ۔ ۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ۲۔ حضرت زید بن ثابت اور ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد ان کے قول کو اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شیخ بخاریؒ، علی بن المدینیؒ سے ایک نامور مجتہد خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا نام رہ گیا ہے ابواب احکام کی جن ائمہ مجتہدین پر انتہا ہوتی ہے وہ تین نہیں چار

ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عہد صحابہؓ (پہلی صدی ہجری) میں مطلق تقلید ہی نہیں، تقلید شخصی کا بھی عوام میں رواج ہو چلا تھا۔

صحابہؓ کی مجلس کا موضوع سخن

صحابہؓ رسول ﷺ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے یہ فقہی بصیرت صحابہ کرامؓ کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ صحابہؓ کی مجالس میں موضوع سخن ہی فقہی مسائل ہوتے تھے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ المستدرک میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذ اجلسوا کان حدیثھم معنی الفقہ إلاّ أن یقرأ رجل سورۃ او رجلا أن یأمر بقرأۃ سورۃ(۸۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے ان کا موضوع سخن فقہ اور فقہی مسائل ہوتے تھے مگر یہ کہ کوئی صحابی کوئی سورت پڑھنی شروع کرتا یا کوئی صحابی کسی کو کوئی سورت کی تلاوت کی فرمائش کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں موضوع سخن فقہی مسائل ہوتے تھے یا پھر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

امام ابو بکر ابی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:

أن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مجتمعون فی المسجد یتذاکرون حوادث المسائل فی الاحکام۔ (۸۲)

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا صحابہؓ کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب و تاکید اور اس سنّت متوارثہ پر قرآن و سنت کی رہنمائی

امام ابو بکر ابی جصاص التوفی ۳۷۰ھ "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں۔

محمد سیرین (۳۳۔ ۱۱۰ھ / ۶۵۳۔ ۷۲۹ء) احنف بن قیس (۰۰۰۔ ۶۷ھ / ۰۰۰۔ ۶۸۶ء) سے وہ حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: قیادت وسیادت سے بہرہ مند ہونے سے پہلے فقہی بصیرت (اور مسائل کے حل کا فہم) حاصل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام میں مباحثہ کرتے تھے۔ (ان کے بعد) تابعین بھی اس طریقے و روش پر گامزن رہے اور ان کے بعد آنے والے فقہا کا ہمارے زمانے (۳۷۰ھ / ۹۸۰ء) چوتھی صدی ہجری تک یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔

اس حقیقت کا انکار رذیل اور جاہل لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ملتی جلتی سنن و اثار کو اٹھا کر دیکھا ان کے مطالب و معانی اور احکام کو نہ پاسکے ان میں بحث کرنے اور ان سے فقہی احکام نکالنے سے عاجز آگئے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رُب حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الى من هوأفقه منه (۸۳)

بہت سے فقہی حدیثوں کے راوی فقیہ نہیں اور بہت سے فقہی حدیثوں کے سننے والے ان کا منشاو مطلب زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔

اس حقیقت سے منکر جماعت کی مثال ایسی ہے جیسی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط (۸۴)

ان لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج (۸۵)

یعنی وہ (باتیں جو یہ پوچھتے ہیں) تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں گی۔

اس سے مراد عبداللہ بن حذافہ وغیرہ کے بے محل و بے جا سوالات ہیں جیسے "من اَبی" میرا باپ کون ہے؟ اور "این انا" میں کہاں ہوں؟ جن سے ہر شائستہ انسان کو ناگواری ہوتی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس قسم کے فضول ولایعنی سوالات کی قباحت و ممانعت کا اظہار اس آیۂ شریفہ میں یوں کیا گیا ہے۔

وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ ط (۸۶)

اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانے میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اس قسم کے سوالات کی شریعت میں اجازت نہیں۔ لیکن ایسے سوالات جن سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنا مقصود ہو وہ اس کے زمرے میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نت نئے مسائل کے متعلق احکام الٰہی کے اظہار و بیان سے کسی سائل کو ناگواری نہیں بلکہ خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ (اس لئے ان پر عمل سے ہر ایک کی دینی و دنیوی زندگی سنورتی ہے چنانچہ ایسے تمام سوالات جن کا تعلق معاش کے شعبوں سے ہو یا معاد کے ان سے مقصد احکام کی بجاآوری ہے، وہ سب "عفو" درگزر کے دائرے میں داخل ہیں) چنانچہ آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

عَفَا اللّٰهُ عنها ط

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے درگزر کی۔

یعنی اس قسم کے دینی مسائل میں بحث و تکرار پر تم سے باز پرس نہیں کی اور ان مسائل کے حقائق تم پر روشن کر دیئے، (ذرا غور فرمائیں یہ فقہی بصیرت کیسا عظیم احسان الٰہی ہے)

اس مقام پر "عفو" درگزر کرنے کا مطلب ایسے سوالات سے درگزر کرنا، اجازت

دینا، سہولت فراہم کرنا، اور لگائی ہوئی پابندی کو ڈھیل دینا، آسانی کرنا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ج (۸۷)

اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کی۔

یہاں عَفَا عَنْكُم کے معنی سَهَلَ عليكم کے ہیں یعنی تمہیں سہولت بخشی ہے (تم اس سے فائدہ اٹھاؤ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

الحلال ما أحل الله والحرام ماحرم الله وما سكت عنه فهو عفو۔

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت و خاموشی اختیار کی وہ عفو و درگزر کی حدود میں داخل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے اس میں سہولت دی گئی ہے فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق۔ (۸۸)

میں نے تم سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ سے درگزر کی۔ (۸۹)

مذکورہ بالا ارشاداتِ نبوی سے اجتہاد کے موقع و محل کی تعین بھی ہو جاتی ہے۔

صحابہؓ کے اجتہادی طریقے کی پیروی

شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۴۸۳ھ الحرر فی اصول الفقہ میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

اصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم۔

میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح رہنما ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے راستے پاؤ گے، کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقتدا احکام الٰہی کی طلب و جستجو میں ان کے طریقے پر چلنے میں پوشیدہ ہے۔ نہ ان کی تقلید کرنے میں، اور ان کا طریقہ رائے

واجتہاد پر عمل کرنا تھا اور یہی آپ کے اس ارشاد کا کہ میرے بعد آنے والوں کی پیروی کرو اور میرے خلفاؓ کے طریقے پر چلتے رہو کا مطلب تھا کہ جن باتوں میں حکم صریح نہ پاؤ ان میں ان کے طریقہ اجتہاد ورائے پر گامزن رہو۔(۹۰)

بعض مجتہد اکابر واصاغر صحابہؓ کے بکثرت فتووں کے اسباب

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے (فتوے اور) روائتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ تابعین کے فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تھے (یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہؓ میں سے) حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بکثرت (فتوے اور) روایتیں مروی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ البالغہ میں رقمطراز ہیں:

فصارت قضایاہ وفتاواہ متبعة فی مشارق الارض ومغاربها (۹۱)

چنانچہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور فتووں کی اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں ہر طرف پیروی کی جاتی تھی۔ یہ بھی تقلید تھی،

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ زمانہ پایا انہوں نے حکمرانی کی ان سے سوالات کئے گئے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے چکائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے امام تھے جن کی اقتدا اور پیروی کی جاتی تھی اور یہ جو افعال واعمال کرتے تھے ان کو نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ان کی طرف توجہ دی جاتی تھی، ان سے فتوے پوچھے جاتے، وہ ان کا جواب دیتے تھے، انہوں نے حدیثیں سنی تھیں اور وہ حدیثیں سناتے تھے یہ اکابر صحابہؓ میں سے تھے، ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابو بکرؓ (۵۱ق ھ۔ ۱۳ھ / ۵۷۳۔ ۶۳۴ء)، حضرت عثمان (۴۷ ق ھ ۔ ۳۶ھ / ۵۷۷۔ ۶۵۶ء)، حضرت طلحہؓ (۲۸ ق ھ۔ ۳۶ھ / ۵۹۶۔ ۶۵۶ء)، حضرت زبیرؓ (۲۸ق ھ۔ ۳۶ھ / ۵۶۴ء۔ ۶۵۶ء) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۲۳ق ھ۔ ۵۵ھ / ۶۰۰۔ ۶۷۵ء)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴۴ق ھ۔ ۳۲ھ / ۵۸۰۔ ۶۵۲ء)، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح عامر بن عبداللہؓ (۴۰۔ ۱۸ھ / ۵۸۴۔ ۶۳۹ء)، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ (۲۲ق ھ۔ ۵۱ھ / ۶۰۰۔ ۶۷۱ء)، حضرت ابی بن کعبؓ (۰۰۰۔ ۲۱ھ / ۰۰۰۔ ۶۴۲ء)، سعد بن عبادہؓ (۰۰۰۔ ۱۴ھ / ۰۰۰۔ ۶۳۵ء)، عبادہ بن الصامتؓ (۳۸ق ھ۔ ۳۴ھ / ۵۸۶۔ ۶۵۴ء)، اسید بن حضیرؓ (۰۰۰۔ ۲۰ھ / ۰۰۰۔ ۶۴۱ء)، معاذ بن جبلؓ (۲۰ق ھ۔ ۱۸ھ / ۶۰۳۔ ۶۳۹ء) اور انہی

جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کثرت سے روایتیں منقول نہیں جس کثرت سے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جیسے حضرت جابر بن عبداللہؓ (۱۶ق ھ ۔ ۷۵ھ / ۶۰۷۔۶۹۷ء)، ابوسعید خدریؓ (۱۰ق ھ ۔ ۷۴ھ / ۶۱۳۔ ۶۹۳ء)، ابوہریرہؓ عبدالرحمٰن بن صخرؓ (۲۱ق ھ ۔ ۵۹ھ / ۶۰۲۔ ۶۷۹ء)، عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ (۱۰ق ھ ۔ ۷۳ھ / ۶۱۳۔ ۶۹۲ء)، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۷ ق ھ ۔ ۶۵ھ / ۶۱۶۔ ۶۸۴ء)، عبداللہ بن عباسؓ (۳ق ھ۔ ۶۸ھ / ۶۱۹۔ ۶۸۷ء)، رافع بن خدیجؓ (۱۲ق ھ ۔ ۷۴ھ / ۶۱۱۔ ۶۹۳ء)، انس بن مالکؓ (۱۰ق ھ ۔ ۹۳ھ / ۶۱۲۔ ۷۱۲ء)، براء بن عازبؓ (۰۰۰۔۷۱ھ / ۰۰۰۔ ۶۹۰ء)۔

اور انہی جیسے دوسرے صحابہؓ ہیں، ان مذکورہ بالا تمام صحابہؓ کا شمار فقہا صحابہؓ میں کیا جاتا ہے، یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

اور ان سے کم عمر صحابہؓ جیسے حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ (۰۰۰۔۵۸ھ / ۰۰۰۔۶۷۸ء)، زید بن خالد جہنیؓ (۰۰۰۔۷۸ھ / ۰۰۰۔۶۹۷ء)، عمران بن الحصینؓ (۰۰۰۔ ۵۲ھ / ۰۰۰۔ ۶۷۲ء)، نعمان بن بشیرؓ (۲ ۔ ۶۵ھ / ۶۲۳۔ ۶۸۴ء)، معاویہ بن ابی سفیانؓ (۲۰ق ھ ۔ ۶۰ھ / ۶۰۳۔ ۶۸۰ء)، سہل بن سعد ساعدیؓ (۰۰۰۔ ۹۱ھ / ۰۰۰۔ ۷۱۰ء)، عبداللہ بن یزیدی الخطمیؓ (۰۰۰۔ تقریباً ۷۰ھ / ۰۰۰۔ ۶۹۰ء)، مسلمہ بن مخلد الزرقیؓ (۱۔ ۶۲ھ / ۶۲۲۔ ۶۸۲ء)، ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ (۰۰۰۔ تقریباً ۶۳ھ / ۰۰۰۔ ۶۸۳ء)، ہند بن ارشہ اسلمیؓ (۰۰۰۔ تقریباً ۵۰ھ / ۰۰۰۔ تقریباً ۶۷۰ء)، اسماء بن حارثہ اسلمیؓ (۱۴ق ھ ۔ ۶۶ھ / ۶۰۶۔ ۶۸۶ء)، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور ساتھ رہتے تھے چنانچہ ان سے زیادہ روایتیں منقول ہیں اور ان دونوں میں اور انہی جیسے صحابہ ان میں علم زیادہ رہا اس لئے کہ یہ زیادہ مدت تک زندہ رہے اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوئیں اور تابعین کو ان کے علم سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور بیشتر بڑے صحابہؓ ان سے پہلے وفات پاگئے اور ان اکابر صحابہؓ سے زیادہ علم نہیں پھیلا اس لئے بھی کہ اس وقت انہی صحابہؓ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ (۹۲)

عبداللہ بن مسعودؓ کا اجتہاد میں مرتبہ و مقام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم جیسے مجتہد

اعظم و خلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، ابن حزم فرماتے ہیں۔

أما اختلافهما فلو تقصى يبلغ أزيدمن مائة مسئلة۔ (۹۳)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔

فقہ و بصیرت کا گھاٹ

ابن سعد نے بسند متصل حضرت مسروق کوفی علیہ رحمہ کا بیان نقل کیا ہے۔

لقد جالست أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فوجدتهم كا لاخاذ، فالاخاذ يُروى الرجل والا خاذيروى الرجلين و الاخاذيروى العشرة والا خاذيروى المائة والاخاذ لونزل به اهل الارض لا صدرهم، فوجدت عبدالله بن مسعود من ذالك الا خاذ۔ (۹۴)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ ہم نشینی کی سعادت حاصل رہی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گڑھوں (تالاب) کی طرح پایا (کوئی کم علم والا کوئی زیادہ علم والا) کوئی ایک آدمی کو سیراب کرتا کوئی دو کو سیراب کرتا، کوئی دس کو اور کوئی سو دو سو کو سیراب کرتا۔ ان میں ایسا بھی تالاب تھا کہ اگر اس سرزمین والے سب ہی آتے تو وہ سب کو سیراب کر کے لوٹاتا تو میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو (فقہی بصیرت میں) ایسا ہی تالاب پایا۔

علامہ بدرالدین زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ "البحرالمحیط" میں رقمطراز ہیں۔

وأمّا ابن مسعود كان فقيه الصحابة منتدبا بالفتوىٰ وكذلك ابن عباس و زيدبن ثابت ممن شهدله الرسول بأنه أفرض الأئمة رضى الله عنهم ۔ المعتبر تصدية لهذا المعنى من غيرنكير ۔ ولاشك فى كون العشرة من أهل الاجتهاد وكذلك من انتشرت

فتاویٰ کابن مسعود و عائشة وغیرهم کثرت فتاواهم غیرأن الذی اشتهر منهم الفتاویٰ والأحکام جماعة مخصوصه۔ (۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فتوے سے وابستگی رہی ہے اس لئے وہ فقہی و فقیہ و صحابی کے لقب سے مشہور تھے، یہی حال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل میراث کے سب سے بڑے عالم ہونے کی شہادت دی ہے اور وہ یہ خدمت برابر سرانجام دیتے رہے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں، اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مجتہدین ہونے میں بھی شک و شبہ نہیں ہے، اور ایسے صحابہؓ جن کے فتوے شائع ہیں جیسے ابن مسعود اور حضرت عائشہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے فتوے کثیر تعداد میں موجود ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو احکام (حلال و حرام) سے متعلق مسائل میں شہرت رکھتے ہیں وہ ایک مخصوص اور محدود جماعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار

اہل علم میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ و درایت اور اتقان و احتیاط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری و قربت کا جو مرتبہ و مقام حاصل تھا وہ کم ہی صحابہؓ کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ امام عمرو بن میمون یمانی ثم کوفی المتوفی ۷۵ / ۷۴ھ، کا بیان ہے:

مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہمنشینی کی برسوں سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے انہیں حدیثیں بیان کرتے ہوئے نہیں سنا ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہیں سہو کا اندیشہ و خطرہ ہوا اور خوف طاری ہو گیا پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب بات کہی تھی یا اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے، علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے وقت گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی، بیان روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا۔ (۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بلند معیار کا اندازہ مورخ اسلام

علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے وہ "تذکرۃ الحفاظ" میں رقمطراز ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن عبداللّٰہ ابن ام عبدالھذلی، صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم، وخادمہ و أحدالسابقین الأولین، ومن کبارالبدر یین، ومن نبلا إلفقھاء و المقرتین، کان ممن یتحری فی الأداء و یتشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ۔ (۹۷)

حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد ہذلی رضی اللہ عنہ، ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ۲۔ ان کے خادم ہیں، ۳۔ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ۴۔ بڑے بدری صحابہ میں ہیں، ۵۔ نہایت بلند پایہ فقہا اور ۶۔ قاریوں میں سے ہیں، ۷۔ ان صحابہ میں سے ہیں جو بیان روایت میں تشدد بہت سخت۔ ۸۔ اور بہت محتاط تھے۔ ۹۔ وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط میں سستی اور ۱۰۔ بے احتیاطی پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار کتنا سخت اور بلند تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی مجتہدین کو ہدایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم پر ایسا زمانہ بھی گزرا کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے، فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ایسے مسائل (اجتہادیہ) پیش نہیں آتے تھے۔ پس اگر کسی کو حکم بتانا ہو تو کتاب سے بتائے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتائے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہو۔

تو پھر اپنی رائے سے حکم بتائے اور فیصلہ صادر کرے۔ (۹۸)

لہٰذا اگر نئے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے کا پہلے سے رواج نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہدین کو اپنی اجتہادی رائے اور فقہی بصیرت سے مسئلے کا حکم پیش کرنے کی ہدایت نہ فرماتے، اور بعض صحابہ کرامؓ اس امر پر ان کی نکیر کرتے، یہ بات (ان پر نکیر نہ کرنا) اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے یہاں اجتہادی رائے پر عمل کا معمول اور دستور تھا۔ (۹۹) اسی لئے جس

میں اجتہاد کی اہلیت وصلاحیت نہ ہو اس کو اجتہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔(۱۰۰)

عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب وفتووں کی تشکیل وتدوین

علامہ ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ نے "اعلام الموقعین" میں امام محمد بن جریر طبری التوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

لم یکن احدله اصحاب معروفون، حرروا فتیاه و مذهبه غیر ابن مسعود رضی الله عنه۔(۱۰۱)

کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جس کے مشہور و معروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔

سب سے پہلے تشکیل وتدوین مذہب وفتووں کی جمع وترتیب کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

اصول استنباط کی تشکیل وتدوین میں مجتہدین صحابہؓ کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے تمام ابواب میں غور وخوض کرنے اور شریعت کے اصول کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں پیش آنے والے مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول استنباط اور قواعد استخراج کی تشکیل وتدوین میں ائمہ مجتہدین اور ان کے شاگردوں کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر بغدادی التوفی ۴۲۹ھ اصول الدین میں فرماتے ہیں کہ۔

صحابہؓ میں سے چار صحابیؓ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۳۔ زید بن ثابت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تمام ابواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔ یہ چار صحابیؓ کسی مسئلے میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، مسلم امہ، ان کے قول پر مجتمع ہو جاتی ہے اور اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ کے قول کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن

ابی لیلیٰ انصاری (۷۴۔۱۴۸ھ / ۶۹۰۔۷۶۵ء) عامر بن شراحبیل شعبی کوفی (۱۹۔۱۰۳ھ / ۶۴۰۔۷۲۱ء) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی (۷۲ھ / ۶۹۱ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابتؓ منفرد ہوئے اس میں امام مالکؒ و شافعیؒ اکثر ان کی پیروی کرتے ہیں اور مدینہ کے فقہاسبعہ میں سے ان کے فرزند خارجہؒ یقیناً انہی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباسؓ منفرد ہوئے اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنیؒ (۲۵۔۱۰۵ھ / ۶۴۵۔۷۲۳ء) اور سعید بن جبیر کوفیؒ (۴۵۔۹۵ھ / ۶۶۵۔۷۱۴ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ منفرد ہوئے اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفیؒ (۶۲ھ / ۶۸۱ء) اسود بن یزید نخعی کوفی (۷۵ھ / ۶۹۴ء) اور ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ بغدادیؒ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ (۱۰۲)

امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں ان مذکورۂ بالا ارباب فقہ و نظر اور مجتہدین صحابہؓ کی فقہی بصیرت و دقت نظر کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان سے مروی احادیث کی موجودگی میں قیاس کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں۔

إن كان الراوى معروفاً بالفقه، و التقدم في الاجتهاد، كالخلفاء الراشدين، والعبادلة الثلاثة، وزيدبن ثابت، و معاذبن جبل، و أبي موسى الاشعرى و عائشة، رضوان الله تعالىٰ أجمعين، وغيرهم ممن اشتهر بالفقه والنظر، حديثهم حجة، يترك به القياس، وإن كان الراوى معروفاً بالعدالة والحفظ دون الفقه، مثل أبي هريرة، وأنس بن مالك رضى الله عنهما، فإن وافق حديثه القياس، عمل به، وإن خالفه لم يترك الحديث الالمضر ورة۔ (۱۰۳)

راوی کو اگر تفقہ اور اجتہاد میں شرف تقدم و شہرت حاصل ہے جیسا کہ خلفا راشدین اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و عنہم ہیں اور ان کے علاوہ بھی صحابہؓ ہیں جن کو فقہ و نظر میں شہرت حاصل ہے ان کی حدیث حجت ہے ان کی

حدیث کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا جائے گا۔

اور راوی اگر عدالت اور حفظ میں مشہور و معروف ہے لیکن فقہ میں مشہور نہیں جیسے حضرت ابوہریرہؓ و حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں ایسے راوی کی حدیث اگر قیاس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کی حدیث قیاس کے مخالف ہے تو اس حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کی وجہ سے یعنی قیاس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے۔ بلکہ قیاس کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مذکورۂ بالا آئمۂ مجتہدین کی مختصر جماعت کو یہ امتیاز و خصوصیت اس لئے حاصل تھی کہ ان برگزیدہ شخصیات کے اجتہادات پر صحت و سلامتی کی مہر تصدیق بارگاہ رسالت سے ثبت ہو چکی تھی اور انہیں افتاء و تعلیم کی اجازت حاصل تھی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ فتاوی عزیزی میں رقمطراز ہیں۔

کسانیکہ بحضورِ آں جناب ﷺ بپایۂ اجتہاد کامل رسیدہ بودند و آنحضرت ﷺ اجتہادات ایشان را تصویب فرمودند، وبفتویٰ و تعلیم اجازت فرمودہ بودند، مثل حضرت عمر، و علی، و مثل عبداللہ بن مسعود، و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و امثالہم (۱۰۴)

رسول اللہ ﷺ کے حضور میں جنہیں اجتہاد کامل نصیب تھا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے اجتہادات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور انہیں فتوی و تعلیم دینے کی اجازت دی تھی جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور انہی کی طرح بعض دوسری شخصیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کا فقہی مقام حضرت عمرؓ و علیؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں کو اجتہاد و فقہی بصیرت میں ایسا پختہ کیا تھا کہ دور فاروقی و عثمانی اور عہدِ مرتضوی میں کوفہ کا قاضی حضرت شریح (۷۸ھ / ۶۹۷ء) کو بنایا گیا تھا جنہوں نے بعض مقدمات میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف فتوی دیا تھا اور انہیں عہدۂ قضا سے معزول نہیں کیا گیا چنانچہ ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں:

ان علیا و عمر رضی اللہ عنہما قدولیا شریحاً القضاء ولم یعترضاعلیه فی احکامه، مع اظهاره الخلاف علیهما فی کثیر من المسائل۔ (۱۰۵)

حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ نے حضرت شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا اور ان کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ قاضی شریح نے بہت سے مسئلوں میں ان سے اختلاف کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود کو آتے دیکھا تو حاضرین مجلس سے فرمایا:

کنیف ملئ علماً۔

یہ علم بھرا باڑا ہے، دوسری مرتبہ فرمایا:

کِنیفٌ ملئ فقهاً۔

تفقہ و فقہی بصیرت سے بھرا باڑا ہے۔ (۱۰۶)

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو:

اصحاب سرج هذه القریة۔ (۱۰۷)

یہ اس بستی (کوفہ) کے علمی چراغ ہیں۔

کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس سے حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں کے علمی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شاگردان ابن مسعودؓ کا فقہی مرتبہ ابن عباسؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدر کرتے اور جب وہ آتے، تو حضرت ابن عباسؓ ان کی دعوت کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؒ نے حضرت مسروق کا یہ بیان نقل کیا ہے:

کان ابن عباسؓ اذا قدم علیه أصحاب عبداللّٰه بن مسعودؓ صنع

لهم طعاماً و دعاهم، قال، صنع لنا مرة طعاماً نعم بل يسأل، و يُفتي وكان يخالفنا فما كان يمنعنا ان ترد عليه الاكنا على طعامه(۱۰۸)

حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد آتے، تو وہ ان کے لئے کھانا تیار کراتے، انہیں بلاتے تھے، مسروق نے کہا: ایک بار انہوں نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا۔ پھر مسائل پوچھنے اور فتویٰ دینے لگے، اور مسائل میں ہماری مخالفت کرنے لگے، ہمیں جواب دینے سے یہی بات مانع رہی کہ ہم ان کے یہاں کھانے پر مدعو تھے، (یہ موقع بحث و مباحثہ کے لئے موزوں نہیں تھا اس لئے ہم نے اس سے گریز کیا۔)

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کا عہدِ صحابہ میں اجتہاد اور خدمت افتا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ عہدِ صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور ان کے فتووں کو مانا جاتا تھا، چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازی الشافعی المتوفی ۴۷۶ھ۔ تحریر فرماتے ہیں۔

أصحاب عبدالله بن مسعودؓ كشريح والأسود وعلقمه كانوا يجتهدون في زمن الصحابة، ولم ينكر عليهم احد۔ (۱۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد جیسے قاضی شریح، اسود اور علقمہؒ عہد صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کا روایتی و ثقاہتی معیار

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو فقہ حدیث میں جو مرتبہ و مقام حاصل تھا اس کا اندازہ امام ابن تیمیہؒ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے موصوف لکھتے ہیں:

وأما علماء أهل الحديث كشعبة و يحى بن سعيد، و أصحاب الصحيح والسنن فكانوا يميزون بين الثقات الحفاظ وغيرهم فيعلمون من بالكوفة والبصرة من الثقات الذين لاريب فيهم،

وأن فيهم من هو أفضل من كثير من أهل الحجاز، ولا يستريب عالم في مثل أصحاب عبدالله بن مسعود كعلقمة، (۶۲ھ/۶۸۴ء) والأسود (۷۵ھ/۶۹۴ء) و عبيدة السلماني (۷۲ھ/۶۹۱ء) والحارث التيمي (۶۵ھ/۶۸۵ء) و شريح القاضي (۷۸ھ/۶۹۷ء) ثم مثل إبراهيم النخعي، والحكم (۴۶۔۱۱۵ھ/ ۶۶۶۔۷۳۴ء) وأمثالهم من أوثق الناس وأحفظهم فلهذا صار علماء أهل الاسلام متفقين على الاحتجاج بما صححه اهل العلم بالحديث من اى مصر كان، وصنف أبوداود السجستاني مفار يدأهل الامصار، يذكرفيه ما انفرد أهل كل مصرمن المسلمين من اهل العلم بالسنة۔ (۱۱۰)

اور لیکن اہل حدیث جیسے شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان اور ارباب صحاح ستہ و سنن، حفاظ اور غیر ثقات میں تمیز کرتے تھے چنانچہ وہ کوفہ اور بصرہ کے ایسے ثقہ راویوں کو جن کی ثقاہت شک و شبہ سے بالاتر ہے خوب جانتے تھے اور ان میں بہت سے ایسے راوی بھی ہیں جو بہت سے حجازی راویوں سے بھی افضل و برتر تھے۔اور کوئی عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی ثقاہت کے متعلق شک و شبہ میں پڑتا ہی نہیں تھا، جیسے علقمہ، اسود، عبیدہ سلمانی، حارث تیمی، شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ ان کے بعد انہی جیسے حفاظ رواۃ سب سے زیادہ معتبر اور سب سے بڑھ کر حافظ موجود تھے۔چنانچہ علما اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شناسان حدیث نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے ان سے استدلال اور حجت پیش کرنا درست ہے۔ان اہل علم کا تعلق خواہ کسی شہر سے ہو، اور ابوداود سجستانی نے ایسی حدیثوں کو جن کی روایت میں ہر شہر کے علما منفرد ہیں انہیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو "مفاریداہل الامصار" کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی کوفہ میں تعلیمی خدمات کا فیضان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی تعلیمی خدمات کے متعلق محمد بن سیرین التوفی ۱۱۰ھ کے بھائی نامور عالم انس بن سیرین بصری (۳۴۔۱۲۰ھ / ۶۷۵۔۷۳۸ء) (۱۰۴) کا بیان قاضی حسن بن خلا التوفی ۳۶۰ھ نے بسند متصل "المحدث الفاصل" میں زینت کتاب کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

قدمت الکوفة قبل الجماجم فرأیت فیها أربعة آلاف یطلبون الحدیث ، وأربعمائة قد تفقهوا۔ (۱۱۱)

میں دیر جماجم کے واقعہ یعنی ۸۲ھ سے پہلے کوفہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھتے تھے۔ اور چار سو طلبہ فقیہ بن چکے اور فقہی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں صرف کوفے میں چار سو فقیہ موجود تھے۔ دوسرے اسلامی قلمرو کے بلاد اور دیہات کا کیا ذکر؟

ذرا نظر کو بلند کیجئے عہد صحابہؓ میں کسی صحابی کے شاگردوں کو کہیں ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور کیا کسی مجتہد کی تعلیمی و تدریسی خدمات کو خلافت راشدہ میں ایسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو پیش کیا ہے یہ نتیجہ و ثمرہ اس فقہی بصیرت کا ہے جو انہیں حاصل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی تعلیمی و تدریسی خدمات کے عہد اموی میں جو شاندار نتائج و ثمرات اور ان کے دیرپا اثرات کوفہ میں نکلے اس کی نظیر اسلامی قلمرو کے وسیع و عریض قطعہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

عہد عباسی میں اس کا اثر کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری

کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری کا اندازہ قاضی حسن بن خلا درامہر مزی (تقریباً ۲۶۰۔۳۶۰ھ / ۸۷۳۔۹۷۳ء) نے "المحدث الفاصل" میں محدثِ بغداد حافظ عفان بن مسلم بصری (۱۳۰۔۲۲۰ھ / ۷۴۷۔۸۳۵ء) سے بسند متصل نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

فقد منا الكوفة فأقمنا أربعة اشهر، ولو اردنا أن نكتب مائة الف حديث لكتبنا ها فما كتبنا الاّ قدر خمسين الف حديث وما رضينا من أحد الا بالاملاء إلا شريكًا فانه ابى علينا وما رائنا بالكوفة لحاناً مجوزا۔ (۱۱۲)

ہم کوفہ میں آئے تو چار مہینے ٹھہرے، ہم اگر یہاں یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں پھر کسی اور سے املا کے علاوہ راضی نہ ہوئے مگر شریک کے سوا کہ انہوں نے ہم سے انکار کیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا کہ جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔

عفانؒ جس شہر میں چار مہینے میں پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اس شہر میں حدیث کی کثرت کا کیا ٹھکانا۔

❁

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۹،

۲۔ فتح القدير الجادم بين فتى الرواية والدراية من علم التفسير شوكانى، مصر، مصطفى البابى الحلبى، ۱۳۳۹ھ/ج. ۱/ ص ۲۶۲، تخريج احاديث اصول البزدوى للحافظ قاسم ابن قطلوبغا۔ کراچی، نور محمد ۱۳۸۲ھ / ص ۴، یہ اصول البزدوی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

۳۔ الجامع لأحكام القرآن للقرطبى/ القاهره، مطبعة دارالكتب المصريه، ۱۹۳۹ء/ ج ۳/ ص ۳۴۰،

۴۔ الرساله الام الشافعى تحقيق خالد البع العلى، زهير شفيق النبى بيروت، دارالكتاب العربى، ۱۴۲۱ھ / ص ۵۶،

۵۔ ایضاً،

۶۔ بصائر ذوی المیزقی لطائف الکتاب العزیز للمجدالدین الفیروزآبادی، القاھرہ، لجنۃ، احیا التراث الاسلامی، ۱۳۸۵ھ / ج ۲ / ص ۴۹،

۷۔ الجامع الاحکام القرآن / ج ۲ / ص ۱۳۱،

۸۔ صحیح البخاری، کراچی، نور محمد، ۱۳۵۷ھ / ج ۱ / ص ۱۶، جامع الترمذی، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی ب ت / ج ۱ / ص ۹۳،

۹۔ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض۔ ۱۳۹۳ھ / ج ۲۰ / ص ۲۱۲،

۱۰۔ صحیح البخاری / ج ۲ / ص ۱۰۹۲،

۱۱۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ / ج ۳ / ص ۸،

۱۲۔ اصول الجصاص تحقیق محمد محمد ناصر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ / ج ۲ / ص ۲۳۸،

۱۳۔ ایضاً،

۱۴۔ ایضاً،

۱۵۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۳۶۔۲۳۹،

۱۶۔ ایضاً،

۱۷۔ ایضاً،

۱۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۴،

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ O

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا۔

۱۹۔ ایضاً،

۲۰۔ اصول الفقہ للجصاص / ج ۱ / ص ۲۳۶۔۲۳۸،

۲۱۔ ایضاً،

۲۲۔ ایضاً / ج ۲ / ص ۳۶۹،

۲۳۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۲۸۔۲۲۹،

۲۴۔ ایضاً/ج ۲/ص ۲۳۶،

۲۵۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹،

۲۶۔ الجصاص/ج ۲/ص ۲۶۸،

۲۷۔ سورۂ النساء، آیت ۵۹،

۲۸۔ ایضاً، آیت ۸۳،

۲۹۔ سورۂ الحشر، آیت ۲،

۳۰۔ حصاص، ج ۲، ص ۲۶۸،

۳۱۔ سورۂ النحل آیت ۴۳، اصول اللجصاص/ج ۲/ص ۳۷۱،

۳۲۔ سورۂ التوبہ، آیت ۱۲۲،

۳۳۔ صحیح البخاری، ۸/۱۷۷، / ج ۲/ص ۹۹۱، کتاب الایمان و النذور باب من مات وعلیه نذر،

۳۴۔ نسائی باب حج المرأۃ عن الرجل/ج ۲/ص ۴، / باب الحکم بالتشبیه والتمثیل/ج ۲/ص ۳۰۴، طبعہ کراچی قدیمی کتب خانہ،

☆ ابن ماجہ باب الحج عن الحی اذا لم یستطع/ص ۲۰۹، طبع کراچی، قدیمی کتب خانہ،

۳۵۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب القبلۃ للصائم حدیث نمبر ۲۳۸۵، الحاکم، / ج ۱/ص ۴۳، مسند احمد، الفتح الربانی/ج ۱۰/ص ۵۲،

۳۶۔ مسند احمد، بیروت، المکتب الاسلامی، / ج ۵/ص ۱۵۴،

۳۷۔ صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاالعرب ۳/۱۲۱،

☆ صحیح مسلم، باب جواز الاجیرۃ علی الرقیۃ بالقرآن، الاذکار، حدیث نمبر ۱۷۱۶،

☆ محمد بن عبداللہ التمرتاشی الغزی الحنفی، الوصول الی قواعد الاصول، طبع بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ/ص ۱۴۔۱۶،

۳۸۔ الوصول الی قواعد الاصول/ص ۱۶،

۳۹۔ صحیح البخاری/ج ۴/ص ۲۰۷، صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الخمر والمیتۃ، الوصول، ص ۱۵،

۴۰۔ بخاری/ج ۷/ص ۶۸، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، "صحیح مسلم" کتاب اللعان/ج

۲/ص ۱۱۳۷،
۴۱۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۲۴،
۴۲۔ مسند احمد / ج ۴ / ص ۲۰۵، اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۱۶،
۴۳۔ صحیح البخاری، کتاب الشروط حدیث نمبر ۲۷۳۴،
۴۴۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۲۳،
۴۵۔ ایضاً،
۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ ایضاً / ج ۲ / ص ۲۱۶،
۴۸۔ سورۃ النسآء، یت ۲۹،
۴۹۔ سنن ابوداؤد / ج ۱ / ص ۱۴۵، کتاب الطہارۃ باب اذا خاف الجنب البرو یتیم، حدیث نمبر ۳۳۴،
۵۰۔ سنن نسائی کراچی، قدیمی، ص ۷۵،
۵۱۔ الاحکام / ج ۵ / ص ۹۴،
۵۲۔ ترجمہ مسلم، وحید الزمان / ج ۴ / ص ۱۳۶،
۵۳۔ ایضاً،
۵۴۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض علیہ رحمہ / ج ۶ / ص ۱۱۰، طبع دار الوفاء
۵۵۔ مسلم / ج ۲ / ص ۹۶،
۵۶۔ زاد المعاد / بیروت، مکتبہ "المنار الاسلامیہ" / ج ۳ / ص ۱۳۱،
۵۷۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی / ج ۳ / ص ۲۱۰، کراچی الصدف پبلشرز،
الاجتهاد فی الشریعة الاسلامیه و بحوث اخری ۔ ادارة الثقافة و النشر بالجامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیه ۱۴۰۴ھ،
۵۸۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۲۲،
۵۹۔ معالم السنن / بیروت / دار الکتب العلمیہ / ۱۴۱۶ھ / ج ۴ / ص ۱۵۳ / بذل المجهود، کراچی، معهد الخلیل / ج ۴ / ص ۳۰۹،
۶۰۔ تفسیر القرآن العظیم، مصر، مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ / ج ۱ / ص ۳،
۶۱۔ طبقات الفقہاء للشیرازی، بغداد ۱۳۵۶ھ / ص ۳،

۶۲۔ مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصطلاح القاہرہ دار المعاد طبع ۱۴۱۱ھ / ص ۴۹۴،

☆ تدریب الراوی طبع ۱۹۵۹ء / ص ۴۰۵، ۴۰۶،

☆ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفة سنن خیر الخلائق للنووی، المدینه المنورة ـ مکتبة الایمان ۱۴۰۸ھ / ج ۲ / ص ۵۹۷،

۶۳۔ الاحکام، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ / ج ۵ / ص ۹۲،

۶۴۔ الاحکام، / ج ۵ / ص ۹۲۔ ۹۳، (وله) الرسالة الثالثة، اصحاب الفتیا من الصحابة و من بعد هم علی مراتبهم فی کثرة الفتیا، ص ۳۱۹،

اس رسالے میں ابن حزم نے ارباب فتویٰ کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ بیان کی ہے۔ ان میں ۱۴۲ / مرد اور ۲۰ خاتون ہیں۔

مکثرین سات، اور متوسطین ۱۳ بیان کئے ہیں باقی سب مقلین ہیں، یہ رسالہ سید کروی حسن کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ نے ۱۳۵۱ھ میں بیروت سے شائع کیا ہے۔

۶۵۔ شرح فتح القدیر / ج ۳ / ص ۳۳۰،

۶۶۔ ایضاً، اصحاب الفتیا،

۶۷۔ سنن ابی داؤد / ج۔ ۱ / ص ۲۸۸، کراچی، سعید اینڈ کمپنی، ب ت / ج ۱ / ص ۲۸۸، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا،

۶۸۔ سورۂ نساء، آیت ۱۲۷، ۱۷۶،

۶۹۔ السیوطی، الحاوی للفتاوی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء / ج ۱ / ص ۱۶۱،

۷۰۔ الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر / ج ۲ / ص ۳۵۱،

۷۱۔ الحاوی للفتاوی / ج ۱ / ص ۱۶۲، (له) الکفر المدفون فی الفلک المشحون / ص ۲۵۲،

۷۲۔ المدہشی، بیروت، عباس احمد الباز، ص ۵۱،

۷۳۔ الطبقات الکبریٰ / ج ۲ / ص ۳۵۰،

۷۴۔ کتاب العلل و معرفة الرجال، استانبول، المکتبة الاسلامیہ، ۱۹۸۷ء / ج ۱ / ص ۱۹۷، الطبقات الکبریٰ / ج ۲ / ص ۳۵۱، تاریخ الثقات للعجلی، ص ۲۷۸، (ترجمہ ۸۸۶، عبداللہ بن مسعودؓ) سیر اعلام النبلاء / ج ۲ / ص ۳۸۸، ترجمہ ابو موسیٰ الاشعری

۷۵۔ عہد صحابہ: جمہور مؤرخین کے نزدیک دور صحابہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوتا چنانچہ امام

ابو اسحاق الشیرازی المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" (بغداد، ۱۳۵۶ھ ص ۲۲۔۲۳) میں رقمطراز ہیں: والقرض عصر الصحابة مابين تسعين إلى مائة۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ نوے سے سو کے مابین ختم ہو گیا) پہلی صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر آخرت اختیار کیا، اس کی تفصیل مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے یوں پیش کی ہے۔ ۱۔ کوفے میں آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (۸۶ھ / ۷۰۵ء) میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ ۲۔ مدینے میں آخری صحابی سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ / ۷۱۰ء) سو برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ۳۔ بصرے میں حضرت انس بن مالک نے (۱۰ق ھ۔ ۹۱ھ / ۶۱۲۔ ۷۱۰ء) نے اور بعض کا قول ہے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ ۴۔ شام میں حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے (۸۸ھ / ۷۰۷ء) میں وفات پائی۔ ۵۔ (مکہ میں) حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ (۲ھ۔ ۱۰۰ھ / ۶۲۵۔ ۷۱۸ء) میں وفات پائی۔ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی نے حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ کا ذکر پہلی صدی ہجری کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے لیکن لکھا ہے:

قال وهب بن جرير سمعت أبي يقول: كنت بمكة سنة عشرو مائة، فرأيت جنازة فسألت عنها، فقالوا: هذا ابو الطفيل۔

قلت: هذا هو الصحيح بثبوت إسناده و هو مطابق لماقيله

(تاریخ السلام / ص ۵۲۸، حوادث و وفیات ۱۰۰۸۰ھ)

وہب ابن جریر کا بیان ہے میں نے اپنے باپ سے سنا کہتے تھے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عامر بن واثلہؓ کا جنازہ ہے میں کہتا ہوں (الذہبی) یہ قول صحیح ہے۔ اس کی سند درست اور سابقہ بیان کے مطابق ہے۔

۷۶۔ اصول البصاص، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰/ ج ۲/ ص ۳۷۳،

۷۷۔ طبقات الفقہاء للشیرازی، ص ۱۲،

۷۸۔ الطبقات الکبری، بیروت، دار صادر، ۱۴۰۵/ ج ۲/ ص ۲۳۴، سیر اعلام النبلاء / ۲/ ص ۴۲۳، الاصابه فی تمیز الصحابه لابن حجر، مصر، مطبعة السعاده، ۱۳۲۸ھ / ج ۱/ ص ۵۶۲، (۲۸۸۰) قواطع الادله فی الا صول تالیف منصور بن

احمد السمعانی، تحقیق محمد حسن، مکہ، عباس احمد الباز، ج / ۲ ص ۲۶۲۵، تدریب الراوی فی شرح التقریب النووی، للسیوطی تحقیق عبدالرؤف عبدالطیف، بیروت، دار الکتب الحدیث، ۱۳۸۰ / ج ۲ / ص ۱۲۹،

۷۹۔ الجامع / ج ۲ / ص ۲۸۹،

۸۰۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۴۴۱ / سیر اعلام النبلاء / ج ۲ / ص ۴۳۸،

۸۱۔ المستدرک علی الصحیحین ومعہ تلخیص الذہبی وکتاب الدرک لتخریج المستدرک لابن حجر، بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۵۸ء / ج ۱ / ص ۲۸۶،

۸۲۔ احکام القرآن للجصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ / ج ۲ / ص ۵۹۰۔۵۹۱،

۸۳۔ سنن ابوداؤد کتاب العلم، کراچی میر محمد کتب خانہ، ۲ / ۵۱۵، سنن ترمذی، ابواب العلم، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی، ۲ / ۹۰،
سنن ابن ماجہ المقدمہ باب من بلغ علما کراچی قدیمی کتب خانہ ۲۱،

۸۴۔ سورۂ جمعہ آیت ۵،

۸۵۔ سورۂ المائدہ / آیت ۱۰۱ تا ۱۰۲،

۸۶۔ ایضاً،

۸۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۷،

۸۸۔ سنن ابی داؤد کتاب الزکوۃ باب فی زکوۃ السائمۃ کراچی میر محمد کتاب خانہ (۱ / ۲۲۳) سنن الترمذی، ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی زکوۃ الذہب والورق، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی، (۱ / ۱۳۴)، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الخیل والرقیق، کراچی قدیمی کتب خانہ ص ۱۳۰، شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الزکوۃ باب الخیل السائمۃ، کراچی ایچ ایم سعید (۱ / ۳۶۳) صحیح ابن خزیمۃ باب اسقاط الصدقۃ صدقۃ المال عن الخیل والرقیق، بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۱۲ھ، (۴ / ۲۸) جامع المسانید، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۲ھ / ۱ / ۴۶؛ المصنف لابی بکر عبدالرزاق، بیروت، المکتب الاسلامی ۱۳۹۱ھ / ۶۸۷۹، ۶۸۸۰۔۶۸۸۱، المصنف لابن ابی شیبہ، ماقالوا فی زکوۃ الخیل، کراچی ادارۃ القرآن العلوم السلامیہ، ۱۴۰۶ھ / ۳ / ۱۵۲، سنن الدار قطنی بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۴ھ، ق ۲ / ج ۱ / ص ۹۷، رقم ۲۰۰۲، سنن الکبری للبیہقی باب لا صدقۃ فی الخیل، ملتان نشر السنۃ ۴ / ۱۱۸،

۸۹۔ احکام القرآن للجصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ / ج ۲ / ص ۵۹۰۔۵۹۱،
۹۰۔ المحرر فی اصول الفقه للامام السرخسی / ج ۲ / ص ۸۳، اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۳۸۶، ۳۸۷،
۹۱۔ حجۃ اللہ البالغہ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج ۱ / ص ۲۸۱،
۹۲۔ الطبقات الکبریٰ / ج ۲ / ص ۳۷۶،
۹۳۔ لاحکام فی اصول الاحکام / ج ۶ / ص ۶۱،
۹۴۔ طبقات، ج ۲ / ص ۳۴۳،
۹۵۔ البحر المحیط، ج ۶، ص ۲۱۱، ۲۱۲،
۹۶۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۲۲،
۹۷۔ تذکرۃ الحفاظ، طبع ۱۹۵۵ء / ج ۱ / ص ۱۳۔۱۴،
۹۸۔ اصول الفقہ للجصاص / ج ۲ / ص ۲۳۱،
۹۹۔ ایضاً / ج ۲ / ص ۲۳۱،
۱۰۰۔ ایضاً / ج ۲ / ص ۲۳۶،
۱۰۱۔ اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین، بیروت، دار الجیل، / ج ۱ / ص ۲۰،
۱۰۲۔ اصول الدین تالیف عبدالقادر البغدادی، استانبول، مطبعۃ الدولۃ ۱۳۴۶ھ / ص ۳۱۱
۱۰۳۔ اصول البزدوی، ص ۱۵۸۔۱۵۹، اصول السرخسی / ج ۲ / ص ۳۳۸،
۱۰۴۔ فتاویٰ عزیزی، دہلی مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ / ج ۱ / ص ۱۱۸،
۱۰۵۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۱۵۶، ۱۵۷
۱۰۶۔ الطبقات الکبریٰ / ج ۲ / ص ۳۴۴،
۱۰۷۔ تاریخ الثقات للعجلی، طبع ۱۴۰۵ھ / ص ۴۷۶،
۱۰۸۔ اصول الجصاص / ج ۲ / ص ۱۵۶۔۱۵۷،
۱۰۹۔ ابو اسحاق شیرازی اشافعی، کتاب اللمع،
۱۱۰۔ مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، الریاض ۱۳۹۸ھ / ج ۲۰ / ص ۳۱۷،
۱۱۱۔ المحدث الفاصل، ص ۵۶۰،
۱۱۲۔ المحدث الفاصل، ص ۵۵۹،